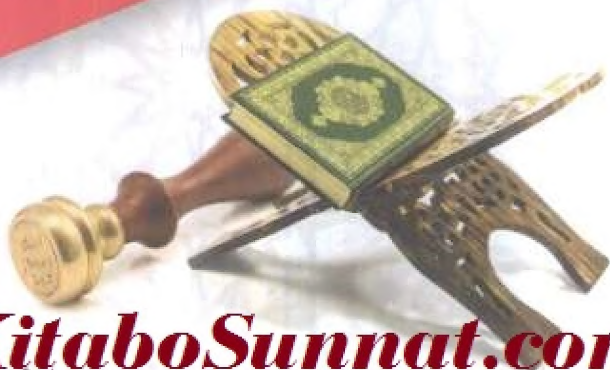
سلف صالحین کے عقائد و نظریات

عقیدۂ توحید اور ایمانیات کے بارے میں صحابۂ کرام، تابعین اور محدثین کے منہج کی روشنی میں 11 رہنما اصول



تالیف: فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالحمید اثری حفظہ اللہ

مقدمہ: سماحۃ الشیخ صالح بن عبدالعزیز بن محمد آل شیخ

وزیر اسلامی امور سعودی عرب



www.KitaboSunnat.com

سلف صالحین کے عقائد و نظریات





دارُالسّلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاھور
کراچی • لندن • ھیوسٹن • نیویارک

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 00966 1 4043432-4033962 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض ● الغلیہ فون: 00966 1 4614483 فیکس: 4644945 ● الملز فون: 00966 1 4735220 فیکس: 4735221

● سویدی فون: 00966 1 4286641 ● سویلم فون/فیکس: 00966 1 2860422

جدہ فون: 00966 2 6879254 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 00966 4 8234446,8230038 فیکس: 04 8151121

الخبر فون: 00966 3 8692900 فیکس: 00966 3 8691551 خمیس مشیط فون/فیکس: 00966 7 2207055

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 00966 6 3696124

امریکہ ● نیویارک فون: 001 718 625 5925 ● ہیوسٹن: 001 713 722 0419 ● کینیڈا ● فون: 001 416 4186619

لندن ● دارالسلام انٹرنیشنل پبلشرز لمیٹڈ فون: 0044 20 77252246-0044 20 85394885 ● برمنگھم: 0044 0121 7739309

متحدہ عرب امارات ● شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624 فرانس فون: 0033 01 480 52928 فیکس: 0033 01 480 52997

انڈیا ● دارالسلام انڈیا فون: 0091 44 45566249 موبائل: 0091 98841 12041 ● اسلامک بکس سنٹر فون: 0091 22 2373 4180

● فون: 0091 40 2451 4892 موبائل: 0091 98493 30850 ● فون: 0091 44 42157847

سری لنکا ● دار الکتاب فون: 0094 115 358712 ● دارالایمان ٹرسٹ فون: 0094 114 2669197

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 00 324 372 ,24 400 372 ,34 240 373 42 0092 فیکس: 72 540 373 042

www.darussalampk.com

اردو بازار: غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 54 200 371 42 0092 فیکس: 03 207 373 042

ڈیفنس: Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 10 926 356 42 0092

کراچی مین طارق روڈ، نادرن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون: 36 939 343 21 0092 فیکس: 37 939 343 21 0092

اسلام آباد F-8 مرکز، ایوب مارکیٹ، شاہ وہ مشقر فون: 13 15 228 51 0092 islamabad@darussalampk.com

ملتان 995- اکرم پلیس آفیسر کالونی، ابدالی روڈ، ملتان فون: 24 00 622 61 0092

فیصل آباد کوہ نور سٹی (پلازہ نمبر 1، دکان نمبر 15) جڑانوالہ روڈ فیصل آباد فون: 44 19 850 41 0092

سلف صالحین کے عقائد و نظریات

عقیدۂ توحید اور ایمانیات کے بارے میں صحابہ کرام، تابعین اور محدثین کے منہج کی روشنی میں 11 رہنما اصول



تالیف: فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالحمید اثری حفظہ اللہ

مقدمہ: سماحۃ الشیخ صالح بن عبدالعزیز بن محمد آل الشیخ

وزیر اسلامی امور سعودی عرب



بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

فہرست





عرض ناشر

کسی قوم، معاشرے یا فرد کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار اس کے عقائد ونظریات پر ہوتا ہے قطع نظر اس کے کہ وہ عقائد ونظریات صحیح ہیں یا غلط، جو قوم اپنے نظریات و افکار میں پختہ ہو وہی کامیاب ہوتی ہے۔ اگر عقائد ونظریات مستحکم اور صحیح ہوں تو دین و دنیا دونوں کی کامیابی مقدر ٹھہرتی ہے۔ عقائد ونظریات میں متزلزل قوم دنیا میں بھی ناکام ہوتی ہے اور آخرت میں بھی نامراد۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے سب سے پہلے لوگوں کے عقائد ونظریات کی اصلاح کی اور اسلام نے بھی عقائد پر بہت زور دیا ہے اور پختہ عقائد کے بغیر اسلام کو نفاق کے درجے میں رکھا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے 13 سالہ مکی زندگی میں لوگوں کے عقائد ونظریات ہی پر زور دیا۔ نماز، روزہ، حج، زکاۃ جیسے ارکان واحکام مدینہ طیبہ جا کر شروع کیے۔

عقائد وافکار میں بنیادی چیز توحید باری تعالیٰ ہے۔ وہ اس طرح کہ بندے کے ذہن میں اپنے خالق مالک، معبود ومسجود کا صحیح اور حقیقی تصور بیٹھ جائے۔ خالق کی عظمت وبزرگی اور مخلوق کی بے بسی کی حقیقت جب کسی انسان پر عیاں ہو جائے تو وہ

آگ میں کودنا اعزاز سمجھتا ہے۔ فرعون سے ٹکرانا اپنے لیے باعث سعادت گردانتا ہے۔ اور گرم پتھروں پر لیٹنا بھی اس کے عزم واستقلال کو متزلزل نہیں کرسکتا۔

تاریخ گواہ ہے کہ تیرہ سال کے عرصے میں تیار ہونے والے گنے چنے افراد نے تاریخ کا دھارا بدل دیا اور آئندہ سالوں میں ہونے والی اسلامی فتوحات میں قائدانہ کردار انھی لوگوں کا تھا جن کے عقائد ونظریات چٹانوں سے بھی مستحکم تھے۔

اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو دیگر قوموں کے اختلاط اور اسلامی تربیت میں کمی سے عقیدہ توحید کا صافی چشمہ گدلا ہونا شروع ہوگیا۔ عقیدہ توحید کی کمزوری ہی اس امت کا وہ مرض ہے جس نے اسے موجودہ حالات پر لا کھڑا کیا ہے کہ ایک مسلمان اور ہندو کے عقائد ونظریات میں تفریق کرنا مشکل ہے۔ أعاذنا الله منه.

ان حالات و واقعات کے باوجود ہر دور میں علماء کی ایک جماعت لوگوں کو توحید خالص کی دعوت تقریر وتحریر کے ذریعے سے دیتی رہی ہے۔ انیسویں صدی ظہور قلم کا دور ثابت ہوا۔ لاکھوں کتابیں لکھی گئیں اور تاحال یہ سلسلہ جاری ہے۔ عصر حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے علمائے ربانی نے اسلام کے بنیادی عقائد ونظریات کے حوالے سے بھی بے شمار کتابیں تحریر کی ہیں۔ زیر نظر کتاب، عالم عرب کے معروف قلم کار فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالحمید اثری ﷾ کی تالیف ''الوجيز في عقيدة السلف الصالح'' کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں عقیدے کی تعریف وتوضیح کے علاوہ 11 بنیادی اصول ذکر کیے گئے ہیں جن کا جاننا اہل اسلام کے لیے نہایت ضروری ہے۔ عقیدہ توحید اور ایمانیات کے مسائل کو صحابۂ کرام، تابعین اور محدثین کے



فہم کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔ کتاب کا اسلوب سادہ اور عام فہم ہے جو علما، طلبہ اور عوام الناس کے لیے یکساں مفید ہے۔

کتاب کا اردو ترجمہ حافظ قمر حسن صاحب نے کیا ہے جو نہایت شستہ اور سلیس ہے۔ نظر ثانی، تحقیق و تخریج، ایڈیٹنگ اور پروف ریڈنگ کی ذمہ داری حافظ آصف اقبال، مولانا محمد عثمان منیب اور مولانا مختار احمد ضیاء حفظہ اللہ نے خوب نبھائی ہے۔ کتاب کی ترتیب و تہذیب میں دارالسلام لاہور کے مدیر حافظ عبدالعظیم اسد حفظہ اللہ کی رہنمائی بھی قابل تحسین ہے۔ اسے خوب سے خوب تر بنانے میں شعبہ ڈیزائننگ کے انچارج ہارون الرشید، محمد رمضان شاد اور خرم شہزاد نے بہت محنت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مصنف، مترجم، ناشر اور جملہ معاونین کو اجر جزیل عطا فرمائے اور اس کتاب کو امت مسلمہ کے عقائد کی پختگی اور درستی کا باعث بنائے۔ آمین

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مینیجنگ ڈائریکٹر دارالسلام انٹرنیشنل

مئی 2016ء

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ، أَمَّا بَعْدُ!

رسالت مآب حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے لوگ بری طرح جاہلیت میں گرفتار تھے۔ وہ شرک اور جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے پھرتے تھے۔ خرافات کا شکار تھے۔ خانہ جنگی میں مبتلا تھے، قبائلی دنگے فساد کی چکی میں بری طرح پس رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو قتل کرتے اور یرغمال بناتے تھے۔ وہ نہایت پسماندگی، بدنظمی اور نسلی و گروہی امتیازات کے عذاب میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کا نصب العین یہ تھا:

وَمَنْ لَمْ یَذُدْ عَنْ حَوْضِہٖ بِسِلَاحِہٖ
یُھَدَّمْ وَمَنْ لَا یَظْلِمِ النَّاسَ یُظْلَمِ

”جو شخص ہتھیار کے زور پر اپنے حوض کی حفاظت نہیں کرتا، اس کا حوض ڈھا دیا جاتا ہے۔ اور جو لوگوں پر ظلم نہیں کرتا، اس پر ظلم کیا جاتا ہے۔“ (1)

پھر اسلام کا سورج طلوع ہوا۔ ختمی مرتبت حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی اور

(1) معلقۃ زھیر بن أبي سلمی المزني.



انسانیت کو یہ پیغام ملا: ''نہیں کوئی معبودِ برحق سوائے اللہ کے۔''

اسلام پیامِ توحید لے کر آیا۔ توحید، اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو اس کے بندوں پر عائد ہوتا ہے۔ مخلوق کے پیدا کرنے کا سب سے بڑا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ خالق کے آگے سر جھکائے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾

''اور میں نے جن اور انسان اسی لیے تو پیدا کیے ہیں کہ وہ میری عبادت کریں۔''[1]

انبیائے کرام یہی پیغام لے کر آئے۔ الہامی کتابوں میں بھی یہی ہدایت دی گئی۔ اسی کی تبلیغ کے لیے علم جہاد بلند کیا گیا۔

نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں تیرہ برس عقیدۂ توحید کی دعوت دی۔ دلوں کی گہرائی میں اس کی جڑیں پختہ کیں۔ حریم قلب میں اس کی بنیادیں مضبوط کیں۔ سطحِ وجدان پر اس کے ارکان کھڑے کیے۔ یوں راہیانِ ہدایت کو توحید کا روشن راستہ دکھائی دینے لگا۔ اللہ کی راہ کے آثار انھیں خوب نظر آنے لگے۔ تب اللہ تعالیٰ نے حق کو غالب کیا اور باطل کو مٹا دیا۔ توحیدِ خالص کے نور سے دل جگمگانے لگے اور ان پر سے شرک و کفر کا میل کچیل اتر گیا۔

جب رسولِ رحمت ﷺ تشریف لائے تو دلوں کی زمین بنجر تھی۔ آپ نے اسے نہایت اخلاص کے ساتھ چشمۂ توحید کے صاف پانی سے سیراب کیا۔ وہ بنجر زمین ہری بھری ہو کر لہلہانے لگی۔ انسانیت ذلت کی پستیوں میں گری ہوئی تھی، اسے عزت اور

[1] الذاریات 56:51.

بلندی ملی۔ وہ پارہ پارہ تھی، متحد ہوئی۔ وہ مغلوب تھی، غالب ہوئی۔

عقیدۂ توحید اللہ وحدہ لا شریک کی یکتائی کا اظہار و اعلان ہے۔ یہ خالص اور شفاف عقیدہ تواتر و تسلسل سے قائم و استوار چلا آ رہا تھا۔ یہاں تک کہ زمانے اور زندگی کی رفتار کے ساتھ ساتھ بموجب تقدیر ایسے افراد دین میں داخل ہوئے جن کے دلوں میں خالص توحید راسخ نہیں ہوئی تھی۔ تب لوگوں کے عقائد میں خرابی در آئی اور وہ اختلاف و انتشار کا شکار ہو گئے۔ فکری انحراف اور باطل نظریات نے جنم لیا۔ فتنے سر اٹھانے لگے اور بدعتیں پھیلنے لگیں۔ حتیٰ کہ جب آنکھوں کی پتلیاں پھرنے لگیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے۔ مسلمانوں پر آزمائشوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ہر طرف تاریکی چھانے لگی۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے ائمۂ ہدایت کو روشنی کا مینار بنا کر کھڑا کر دیا۔ انھوں نے لوگوں کو قندیل نبوت کی راہ بتائی اور قلعۂ ایمان کا راستہ دکھایا۔ انھوں نے کھرا کھوٹا الگ کیا۔ اور باطل پرستوں کے شبہات کا ازالہ کر کے لوگوں کو از سر نو سلف صالحین کے منہاج پر گامزن کر دیا۔

امت مسلمہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس امت کی عزت و عظمت، سر بلندی، بالادستی اور دوسری قوموں کے نزدیک مسلمانوں کا وقار اور اعتبار صحیح عقیدے کی بدولت ہی قائم و دائم تھا۔ یہ امت جب تک سچے دل سے اللہ کی طرف متوجہ رہی، سنت نبوی کی اتباع کرتی رہی، سلف صالحین کے منہاج پر گامزن رہی اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرتی رہی، دوسری قومیں اسے ہمیشہ خراج ادا کرتی رہیں۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ کی ذلت و خواری، پستی و درماندگی اور دوسری قوموں کا اس پر تسلط شرک و



بدعت کے پھیلاؤ، فرقہ واریت اور اپنے حکمرانوں کے خلاف بغاوت کے نتیجے میں ہوا جس کی وجہ سے امت مسلمہ سیاسی ناہمواریوں کا شکار ہو گئی۔

صحیح عقیدے سے انحراف، سلف صالحین کے منہاج سے روگردانی اور باطل پرستوں کے غلط نظریات اور مزخرف اقوال سے دھوکا کھا جانے ہی نے امت کو فرقوں میں تقسیم کیا، اس کی طاقت کو کمزور کیا اور اس کی شان و شوکت کو خاک میں ملا دیا۔ امت کی موجودہ حالتِ زار اس کی واضح دلیل ہے۔

اس الم انگیز صورتحال سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ امت دوبارہ اس منہاج پر گامزن ہو جائے جسے اپنانے کی ہدایت نبی رحمت ﷺ نے کی تھی۔ اور جس پر صحابۂ کرام اور ان کے تابعین وائمۂ ہدایت چلے تھے کیونکہ اس امت کا آخری دور بھی اسی چیز سے ٹھیک ہو گا جس سے اس کا اول دور ٹھیک ہوا تھا۔ جادۂ توحید سے ہٹنا اور سلف صالحین کے منہاج سے روگردانی، عدل و انصاف کے منافی ہے اور یہ بات عقل سے بھی جفا و دشمنی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

”بلاشبہ یقیناً ہم نے اپنے رسول واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔“[1]

اور سب سے بڑا انصاف توحید ہے۔ یہ عدل کی بنیاد ہے۔ سب سے بڑا ظلم شرک

---

[1] الحدید 57:25.

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو وصیت کا تذکرہ فرمایا ہے:

﴿ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝﴾

''اے میرے پیارے بیٹے! تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا، بے شک شرک تو بڑا بھاری ظلم ہے۔''[1]

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے فرمایا:

«إِنِّي وَالْإِنْسُ وَالْجِنُّ فِي نَبَإٍ عَظِيمٍ، أَخْلُقُ وَيُعْبَدُ غَيْرِي، وَأَرْزُقُ وَيُشْكَرُ غَيْرِي»

''میری اور انس وجن کی بھی انوکھی خبر ہے۔ پیدا میں کرتا ہوں لیکن عبادت کسی اور کی کی جاتی ہے۔ رزق میں دیتا ہوں جبکہ شکر کسی اور کا ادا کیا جاتا ہے۔''[2]

یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے کہ آدمی، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے جبکہ آدمی کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اصلاح کا حکم دیا اور فساد انگیزی سے منع فرمایا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾

''اور زمین کی اصلاح کے بعد تم اس میں فساد نہ کرو اور اللہ کو خوف سے اور طمع کرتے ہوئے پکارو، بے شک اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے

---

[1] لقمان 13:31 [2] یہ حدیث اگرچہ معناً صحیح ہے لیکن سنداً ضعیف ہے، شیخ البانی رحمہ اللہ نے سلسلۂ ضعیفہ (2371) میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔



قریب ہے۔''[1]

جبکہ سب سے بڑی فساد انگیزی یہ ہے کہ کوئی کسی کے عقائد خراب کرے، افکار و نظریات میں فساد پھیلائے اور اسے اس فطری راستے سے ہٹا دے جس پر اللہ نے اسے پیدا کیا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

«كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ»

''ہر نومولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ماں باپ ہی بعدازاں اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''[2]

نبی کریم ﷺ نے ایک اور موقع پر صحابۂ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا:

«أَلَا إِنَّ رَبِّي أَمَرَنِي أَنْ أُعَلِّمَكُمْ مَا جَهِلْتُمْ، مِمَّا عَلَّمَنِي يَوْمِي هٰذَا: كُلُّ مَالٍ نَحَلْتُهُ عَبْدًا حَلَالٌ، وَإِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ، وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا أَحْلَلْتُ لَهُمْ، وَأَمَرَتْهُمْ أَنْ يُشْرِكُوا بِي مَا لَمْ أُنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا ......»

''غور سے سنو! میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں وہ بات بتا دوں جو تم نہیں جانتے۔ ان باتوں میں سے جو اس نے مجھے آج ہی سکھائی ہیں ایک

---

[1] الأعراف 7:56. [2] صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1385.

یہ ہے: ''وہ تمام مال جو میں نے کسی بندے کو دیا، حلال ہے۔ میں نے اپنے تمام بندوں کو حنیف (حق پر قائم) پیدا کیا تھا۔ شیاطین ان کے پاس آئے اور انھیں دین سے بہکا دیا۔ میں نے ان کے لیے جو کچھ حلال کیا تھا، شیاطین نے انھیں وہ حرام بتایا۔ شیاطین ہی نے ان سے کہا کہ وہ میرے ساتھ اسے شریک ٹھہرائیں جس کے بارے میں، میں نے کوئی دلیل نہیں اتاری......۔''[1]

اس میں شک نہیں کہ شرک نہایت سنگین جرم اور بہت بڑا ظلم ہے، اس لیے اس کی سزا دنیا و آخرت میں خسارے کے سوا کچھ نہیں۔ آج کے دور میں جبکہ ہر طرف فتنے پھیلے ہوئے ہیں اور دنیا کی چکا چوند لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کیے دیتی ہے، عقائد کے حوالے سے غلط نظریات رکھنے والے افراد کھلم کھلا منفی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ ان کی پیدا کردہ بدعتیں پھیل رہی ہیں۔ انھوں نے اپنے اکابر کے غلط نظریات کو جو مردہ ہو چکے تھے، پھر سے زندہ کر دیا ہے۔ ان کی بھولی بسری کتابیں گڑھوں سے اکھاڑ کر نکال لی ہیں۔ جن کے باعث نت نئے افکار جنم لے رہے ہیں۔ ایسے ایسے فرقے اور گروہ سامنے آرہے ہیں جن کے مقاصد ایک دوسرے سے مختلف اور ناقابل فہم ہیں۔ ہر نیا فرقہ دوسرے فرقے کو غلط اور راہِ راست سے ہٹا ہوا گردانتا ہے۔ ہر نیا گروہ دوسرے گروہ پر لعن طعن کرتا ہے۔

ایسے میں کئی لوگ عقیدۂ توحید اور سنت پر زبان درازی کرنے لگے ہیں۔ انھوں نے لوگوں کے افکار پر ڈاکا ڈالا۔ ان کے عقائد خراب کیے۔ شرک کے معاملے کو ان

---

[1] صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها و أهلها، حدیث: 2865.



کے لیے غیر اہم بنایا۔ فتنوں کے پرچم لہرائے اور اپنے حکمرانوں کے خلاف بغاوتیں کیں۔ سیاسی عدم استحکام پیدا کرنے کی مذموم کوششیں کیں۔ راہِ ہدایت نظر آنے کے بعد بھی انھوں نے نبوی احکامات کی خلاف ورزی کی اور وہ راستہ اپنایا جو مسلمانوں کا راستہ نہیں ہے۔

یوں علمائے امت اور داعیانِ کتاب و سنت جو دین کے معاملے میں بہت غیرت مند ہیں، ان پر یہ بات لازم ٹھہرتی ہے کہ وہ اپنی ذمے داریوں کو محسوس کرتے ہوئے اصولِ دین کی وضاحت کریں اور اس سلسلے میں ہمارے اسلاف جس منہاج پر قائم تھے، اسے سامنے لائیں۔ ان پر یہ واجب ہے کہ وہ ائمۂ ہدایت کی کتابوں کو رواج دے کر عام کردیں، ان کی تدوین و شرح کے فرائض انجام دیں اور اپنے خطبات و دروس میں ان کا نقطۂ نظر واضح کریں۔ عقائد کے باب میں وہ لوگوں کو نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کا سبق سکھائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

"اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم فرمانے والا ہے۔"[1]

اور ارشادِ نبوی ہے:

---

[1] آل عمران 31:3.

«أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا، وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»

''میں تمھیں اللہ کے تقویٰ کی، حاکم کی بات توجہ سے سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، اگرچہ وہ حاکم حبشی غلام ہی ہو۔ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا تو وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا۔ تب تم میری سنت اور خلفائے راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں، ان کی سنت پر قائم رہنا۔ اسے تھامے رہنا اور ڈاڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ لینا۔ نئی نئی باتوں سے بچ کر رہنا کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔''[1]

یہی وہ سیدھا راستہ ہے جو رب العالمین کی رضا تک پہنچاتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾

''بلاشبہ یہ میرا راستہ ہے سیدھا، لہٰذا تم اسی کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی مت کرو، وہ تمھیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے۔ اللہ نے تمھیں اس کی تاکید کی ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔''[2]

[1] سنن أبي داود، السنة، حديث: 4607. [2] الأنعام 6:153.



یہی وہ راستہ ہے جس کی دعوت اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: یہی میری راہ ہے، میں (تمھیں) اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور وہ لوگ بھی جنھوں نے میری پیروی کی، پوری بصیرت کے ساتھ۔ اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔'' [1]

جو فرقہ روزِ قیامت نجات پائے گا، اس کا یہی عقیدہ ہے۔ جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے آگاہ کیا۔ فرمایا:

«لَا تَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ، حَتّٰى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ»

''میری امت میں سے ایک قوم اللہ کے امر کے ساتھ قائم رہے گی۔ جو شخص ان کا ساتھ چھوڑے گا یا ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کا کچھ نقصان نہیں کرے گا۔ وہ اسی طرح رہیں گے تا آنکہ اللہ کا امر ان کو آن پہنچے گا۔'' [2]

یہ وہی جماعت ہوگی جو اللہ کے رسول ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نقشِ قدم پر چلے گی۔ آپ نے فرمایا:

«وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ

[1] یوسف 108:12۔ [2] صحيح البخاري، المناقب، حديث: 3641.

أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِينَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً»

''بنی اسرائیل بہتر ملتوں میں بٹے تھے جبکہ میری امت تہتر ملتوں میں بٹے گی۔ وہ سب ملتیں جہنم میں جائیں گی سوائے ایک ملت کے۔''

راویِ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے سوال کیا: اللہ کے رسول! وہ کون سی ملت ہے۔ فرمایا: ''وہ جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔''[1]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس بات کی کتنی زبردست اہمیت ہے اور اس کے مطابق نئی نسل کی تربیت کتنی ضروری ہے۔ عقائد کے تعلق سے نئی نسل کے تصورات کو سیدھی راہ پر ڈالنا لازمی ہے تاکہ وہ فتنے میں نہ پڑے اور گمراہی کا شکار نہ ہو۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے چند مخلص علمائے کرام اور طلبۂ علم کو یہ توفیق بخشی کہ وہ اس موضوع پر درس وتدریس اور تحقیق وتالیف کا بیڑا اٹھائیں۔ ہمارے بھائی الشیخ عبداللہ بن عبدالحمید اثری ان میں سے ایک ہیں، انھوں نے عقائد کے باب میں اسلاف کے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے یہ مفید کتاب تالیف کی۔ موصوف نے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں ان کی یہ کتاب پڑھوں اور اس پر پیش لفظ لکھوں۔ میں نے یہ کتاب دیکھی، پڑھی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ فاضل مؤلف نے اس کتاب میں نہایت محنت سے مکمل اور بہت مفید مطالب معلومات جمع کر دی ہیں جس پر ان کا شکریہ ادا کیا جانا چاہیے۔ انھوں نے دلکش اسلوب اور آسان زبان میں، اچھی ترتیب اور ابواب بندی کے ساتھ سلف صالحین کے عقائد کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔

[1] جامع الترمذي، الإيمان، حديث: 2641.



کتاب کی اس اشاعت کے سلسلے میں جس کا ہم یہ پیش لفظ لکھ رہے ہیں، تصحیح کا پورا اہتمام کیا گیا ہے اور جو ضروری باتیں پہلی اشاعت میں رہ گئی تھیں، ان کا بھی اندراج کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عقائد کے اصلی ماخذوں سے اسلاف کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں اور کتاب و سنت کے دلائل، نیز موضوع سے متعلقہ صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ اسلاف کے اقوال سے بھر پور استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بلاشبہ ان کتابوں میں شامل ہے جنھیں دیکھ کر اہل توحید کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی اور ان کے دل فرحت سے نہال ہو جاتے ہیں جبکہ مخالفین کے حلق ایسی کتابیں دیکھ کر خشک ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے سینوں میں گھٹن محسوس کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

''اور اللہ اپنے (ہر) کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''[1]

جبکہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

«لَيَبْلُغَنَّ هٰذَا الْأَمْرُ مَا بَلَغَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ، وَلَا يَتْرُكُ اللّٰهُ بَيْتَ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ، إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ هٰذَا الدِّينَ، بِعِزِّ عَزِيزٍ أَوْ بِذُلِّ ذَلِيلٍ، عِزًّا يُعِزُّ اللّٰهُ بِهِ الْإِسْلَامَ، وَذُلًّا يُذِلُّ اللّٰهُ بِهِ الْكُفْرَ»

''یہ دین اسلام ہر اس جگہ تک پہنچ کر رہے گا جہاں رات اور دن پہنچتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس دین کو ہر ایک گھر تک پہنچا کر چھوڑے گا، چاہے وہ گھر مٹی کا

---

[1] یوسف 21:12.

ہے یا بالوں کا ہے (خیمہ ہے) عزت دار کی عزت اور ذلیل کی ذلت کے ساتھ، ایسی عزت جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اسلام (اور اہل اسلام کو عزت بخشے گا) اور ذلت ایسی جس کے ساتھ وہ کفر (اور اہل کفر) کو ذلیل کرے گا۔''[1]

میں فاضل مصنف کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے اس حساس موضوع کی اہمیت باور کرتے ہوئے یہ کتاب تحریر کی۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے، ان کے کام میں برکت دے، امت کے عقیدے کی حفاظت کرے اور علماء کو یہ توفیق دے کہ وہ سلف صالحین کی پیروی میں اس امت کے قدموں کو اس ڈگر پر لے جائیں جو اللہ کو پسند ہے۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

صالح بن عبدالعزیز بن محمد آل الشیخ

وزیر اوقاف و مذہبی امور، سعودی عرب

جمادی الأولیٰ: 1421ھ

---

[1] مسند أحمد: 103/4.

مقدمہ

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ»

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۝﴾

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا۝﴾

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا۝﴾



«أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كَلَامُ اللّٰهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ» [1]

سلف صالحین (اہل سنت والجماعت) کے عقائد ونظریات کے متعلق یہ چند مختصر باتیں ہیں۔ امت مسلمہ سخت اختلاف اور فرقہ واریت کے دور سے گزر رہی ہے۔ اس کا ثبوت نت نئے پیدا ہونے والے فرقے اور جماعتیں ہیں۔ ہر فرقہ اور ہر جماعت اپنے عقیدے کی طرف بلاتی اور اپنے طرز فکر کے اپنانے کی دعوت دیتی نظر آتی ہے۔ ایسے میں عوام الناس عجیب مخمصے میں پڑ گئے ہیں کہ کس کی مانیں اور کس کی نہ مانیں۔ یہی امر ہے جس نے مجھے یہ کتاب لکھنے پر آمادہ کیا۔ اس تمام صورتحال کے باوجود اللہ کا شکر ہے کہ ابھی امت میں بھلائی باقی ہے اور وہ بالکل معدوم نہیں ہوئی کیونکہ امت میں سے ایک جماعت تا قیامت حق پر قائم رہے گی جیسے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ»

[1] یہ خطبہ ''خطبہ حاجت'' کہلاتا ہے۔ ہر اہم اور ضروری بات کہنے سے پہلے یہ خطبہ پڑھنا مشروع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو یہ سکھایا تھا کہ وہ اہم گفتگو سے پہلے یہ خطبہ پڑھا کریں، چاہے وہ نکاح کی گفتگو ہو یا جمعہ کی۔ حدیث کی بیشتر کتابوں میں یہ خطبہ بیان ہوا ہے۔ بعض روایات کے الفاظ ایک دوسرے سے مختلف ہیں تاہم اس کی اہمیت مسلم ہے۔ اس کی مفصل تخریج کے لیے محدث دوراں علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی کتاب (خطبہ حاجت) ملاحظہ کریں۔



''میری امت میں سے ایک طبقہ حق پر قائم رہے گا۔ جو لوگ اس طبقے کا ساتھ چھوڑیں گے وہ اس کا کچھ نقصان نہیں کریں گے۔ اس گروہ کے لوگ اسی طرح (قائم بالحق) رہیں گے یہاں تک کہ اللہ کا امر آن پہنچے گا۔''[1]

آپ ﷺ نے ایک اور موقع پر فرمایا:

«مَثَلُ أُمَّتِي مَثَلُ الْمَطَرِ، لَا يُدْرَى أَوَّلُهُ خَيْرٌ، أَمْ آخِرُهُ»

''میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے۔ معلوم نہیں کہ اس کے اول میں خیر ہے یا آخر میں۔''[2]

ہم پر واجب ہے کہ ہم اس بابرکت طبقے کے بارے میں آگاہی حاصل کریں جو اس صحیح اسلام کا پیرو ہو جسے رسول اللہ ﷺ لائے اور جس پر صحابۂ کرام اور تابعین نے عمل کیا۔ یہی گروہ فرقۂ ناجیہ (نجات یافتہ فرقہ) اور طائفہ منصورہ، یعنی نصرت یافتہ طبقہ ہے۔ اسی گروہ کو اہل سنت والجماعت، اہل حدیث اور اہل اثر و اتباع کے مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ اسی امر کے پیش نظر میں نے تیزی سے اپنی کتاب «المیسر في عقيدة السلف الصالح» کا یہ خلاصہ تیار کیا۔ اس کتاب کے لوازم میں نے ان ائمہ اسلاف کی تحریروں سے لیے جن کی ثقاہت، علمیت، اتباع سنت اور اس باب میں ان کی امامت جانی اور مانی ہے۔ جنھوں نے نسل در نسل فیضانِ نبوی سے استفادہ کیا۔

میں نے کوشش کی ہے کہ اس خلاصے کا اسلوب تحریر آسان اور واضح ہو۔ اختصار

[1] صحيح مسلم، الإمارة، حديث: 1920. [2] جامع الترمذي، الأدب، حديث: 2869.

کے ساتھ ساتھ میں نے یہ بھی خیال رکھا ہے کہ اسلاف نے اپنی کتابوں میں جو شرعی اصطلاحیں استعمال کی ہیں وہ جہاں تک ممکن ہو سکے، مِنْ و عَنْ ہو بہو درج کی جائیں تاکہ ہر قاری، بالخصوص نئی نسل کے افراد بخوبی استفادہ کریں اور اسلاف کے عقائد مختصر طور پر ان کی نظر کے سامنے آجائیں کیونکہ علم عقیدہ ایک زنجیر کی طرح ہے جس کی کڑیاں باہم مربوط ہوتی ہیں۔ اگر اس کے مسائل اجمالی طور پر سمجھ میں نہ آئیں تو بعد ازاں جزئیات کا سمجھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اپنی طرف سے میں نے اسی بات کا اضافہ کیا ہے جس کا بیان کرنا ضروری تھا۔ کتاب کی تیاری کے سلسلے میں، میں نے جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے ان کی فہرست آخر میں دے دی ہے۔

میں آخر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے یہ کتاب مکمل کرنے کی توفیق دی اور دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح کا ذریعہ بنائے، اسے ان کے لیے فائدہ بخش بنا کر اللہ کی کتاب اور سنت رسول ﷺ کی طرف رجوع کا محرک بنا دے۔

میں ان حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس کتاب کے متعلق رائے دے کر یا اسے پڑھ کر اس کی تکمیل میں حصہ لیا۔ ان میں سرفہرست الشیخ سعود بن ابراہیم شریم اور الشیخ محمد بن جمیل زینو ہیں۔ ان دونوں شیوخ نے یہ کتاب پڑھی اور اس پر مقدمہ لکھا۔

اللہ تعالیٰ کا مزید فضل و کرم یہ ہوا کہ اس مختصر کتاب کی اشاعت نو پر اسے جن شیوخ نے ملاحظہ کیا ان میں الشیخ علامہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن جبرین، الشیخ علامہ صالح



بن فوزان، الشیخ صالح بن عبدالعزیز آل شیخ اور الشیخ ڈاکٹر ناصر بن عبدالکریم العقل شامل ہیں۔

یہ ایک کم مایہ کی قلمی سعی وجستجو ہے جسے وہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ اگر یہ اچھی کاوش ہے تو اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر اس میں کوئی غلطی ہے تو یہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ جو حضرات اس میں کوئی غلطی پائیں، ان سے میں امید کرتا ہوں کہ وہ مجھے صلاح دینے میں بخل سے کام نہیں لیں گے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ میرے اس کام کو اپنی رضا کے لیے خالص کرے، اسے میری طرف سے قبول فرمائے اور مسلمانوں کو اس کا نفع دے۔ کتاب میں اگر کوئی ایسی بات راہ پا گئی ہے جو کتاب وسنت اور سلف صالحین کے فہم کے خلاف ہے تو میں اللہ کے حضور اس سے بری الذمہ ہوتا ہوں۔ اگر ایسی بات مجھ سے نادانستہ طور پر سرزد ہوئی ہے تو میں اس سے اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی رجوع کرتا ہوں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ

رب غفار کی رحمت کا امیدوار

ابو محمد عبداللہ بن عبدالحمید آل اسماعیل اثری

ذی الحجہ 1416ھ نزیل استنبول

ضروری تعریفیں

عقیدے کی لغوی تعریف: عقیدے کا لفظ عقد سے ماخوذ ہے، اس کے معنی ہیں: ربط قائم کرنا۔ کوئی بات طے کرنا۔ مستحکم کرنا۔ وثوق پانا۔ مضبوطی سے باندھنا۔ مضبوط ہونا (مضبوط تعلق قائم ہونا)، چمٹنا، گتھنا، دیوار وغیرہ کو سیسہ پلانا۔ ثابت کرنا۔

یقین اور جزم اسی سے ہیں۔ عربی زبان کا لفظ "حَلّ" اس کا متضاد ہے جس کے معنی کھولنے کے ہیں۔

عَقَدَہٗ یَعْقِدُہٗ عَقْدًا، گرہ دینا، گانٹھ لگانا۔ عُقْدَۃُ الْیَمِیْن (قسم کی گرہ) اور عُقْدَۃُ النِّکَاح (شادی کی گرہ) اسی سے ماخوذ ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ﴾

"اللہ تمھاری بلا ارادہ قسموں پر تمھیں نہیں پکڑتا لیکن ان قسموں پر پکڑتا ہے جو تم مضبوط باندھ لو۔"[1]

اس لحاظ سے عقیدہ وہ حکم اور فیصلہ ہے جس کے صحیح اور ثابت ہونے میں معتقد کو

---

[1] المآئدۃ 5:89.



کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا۔ دین میں عقیدہ اس امر کو کہتے ہیں جس کا اعتقاد رکھا جائے، جیسے یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ موجود ہے اور اس نے انبیاء و رسول مبعوث کیے۔ عربی میں عقیدہ کی جمع عقائد آتی ہے (اردو میں بھی یہی جمع مستعمل ہے)۔

حاصل کلام یہ کہ جس امر پر یقین کرتے ہوئے آدمی کا دل اس کے ساتھ بندھ جائے، وہ عقیدہ ہے۔ چاہے وہ امر صحیح ہو یا غلط۔

عقیدے کی اصطلاحی تعریف: اصطلاح میں عقیدے سے مراد وہ باتیں ہیں جن کے متعلق یہ ضروری ہے کہ دل انھیں سچا مانے اور نفسِ انسانی کو ان پر اس طرح اطمینان ہو کہ اس کے نزدیک وہ باتیں یقینی اور قطعی ہو جائیں، جن کے ثابت ہونے میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ دوسرے لفظوں میں عقیدے کا مطلب ہے یقینی ایمان جس میں کوئی شک راہ نہیں پا سکتا۔ یہ ضروری ہے کہ وہ امر واقع اور حقیقت کے مطابق ہو اور وہ شک اور گمان کو پاس نہ پھٹکنے دے۔ علم اگر قطعی یقین کے درجے پر نہ پہنچے تو اسے عقیدہ نہیں کہتے۔ عقیدے کو عقیدہ اس لیے کہتے ہیں کہ آدمی اپنا دل اس کے ساتھ مضبوطی سے باندھ لیتا ہے۔

اسلامی عقیدہ: اسلامی عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ان باتوں پر پختہ ایمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا رب اور اکیلا معبودِ حقیقی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات، فرشتوں، اس کی کتابوں، انبیاء ورسل، یوم آخرت، اچھی اور بری تقدیر، تمام امورِ غیبی جو دلائل سے ثابت ہیں، اصولِ دین، دین کی بنیادی تعلیمات ومبادیات پر یقین رکھنا، نیز وہ باتیں جن پر اسلاف صالحین نے اجماع (اتفاق رائے) کیا ان پر یقین رکھنا۔

اللہ تعالیٰ اور امر و حکم، اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے سامنے مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کرنا بھی اسلامی عقیدہ میں شامل ہے۔

جب ''اسلامی عقیدہ'' کی ترکیب استعمال کی جاتی ہے تو اس سے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہی مراد ہوتا ہے کیونکہ وہی اسلام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بطور دین پسند کیا۔ صحابہ کرام، تابعین اور ان کے تابعین کے فضیلت یافتہ ادوار کے لوگوں کا یہی عقیدہ تھا۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک ''اسلامی عقیدہ'' کے اور بھی نام ہیں جو اس کے مترادف کے طور پر استعمال میں آتے اور اس کا پتہ دیتے ہیں۔ ان میں بالخصوص یہ نام زیادہ معروف ہیں:

① التوحید ② سنت ③ اصول دین ④ فقہ اکبر ⑤ شریعت ⑥ ایمانیات۔ یہ نام علم عقیدہ کے تعارف کے طور پر آتے ہیں۔



سلف کی تعریف

سلف کی لغوی تعریف: لغت میں سلف اس شے کو کہتے ہیں جو گزر گئی ہو، آگے بڑھ گئی ہو۔ عربی میں کہتے ہیں: سَلَفَ الشَّيْءُ سَلَفًا، یعنی گزر گئی۔ (گزر جانا، آگے بڑھ جانا)۔

اَلسَّلَفُ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو گزر گئے ہوں، جو آگے بڑھ گئے ہوں۔ ان لوگوں کو بھی اَلسَّلَفُ کہتے ہیں جو قافلے میں چلتے ہوئے آگے بڑھ جائیں اور کسی جگہ پہلے پہلے پہنچ جائیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ فَلَمَّا آسَفُونَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ ۝ ﴾

''پھر جب انھوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ہم نے ان سب کو غرق کر دیا تو یوں ہم نے انھیں گئے گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لیے (عبرت کی) مثال بنا دیا۔'' [1]

مطلب یہ کہ ہم نے انھیں ان لوگوں کے لیے جو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے

[1] الزخرف 43:55،56.

ان کا سا طرزِ عمل اپناتے ہیں، سلف بنایا تاکہ بعد کے لوگ ان کے انجام سے عبرت حاصل کریں اور یاد رکھیں کہ اگر انھوں نے بھی وہی عمل کیا تو ان کا انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔ آدمی کے سلف اس کے آباء و اجداد اور وہ رشتے دار ہیں جو عمر اور مرتبے میں اس سے بڑے ہوں۔ (اردو میں جنھیں اسلاف کہتے ہیں) یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کو عربی میں اَلسَّلَفُ الصَّالِحُ (اور اردو میں سلف صالحین) کہتے ہیں، یعنی اگلے زمانے کے نیک لوگ۔ بیتے ہوئے دور کے بزرگ۔

سلف کی اصطلاحی تعریف: علمائے عقائد نے ''سلف'' کی جتنی تعریفیں بیان کی ہیں ان سب کا مرکز ومحور یہ ہے کہ سلف سے مراد یا تو صحابہ کرام ہیں یا صحابہ کرام اور ان کے تابعین عظام یا پھر سلف سے مراد صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین ہیں، یعنی فضیلت والے قرون کے وہ ائمہ کرام ہیں جن کی امامت وفضیلت اور اتباعِ سنت جانی اور مانی تھی، جو ہر طرح کی بدعتوں سے اجتناب کرتے تھے اور امت جن کی امامت اور دین میں ان کی عظمت شان پر متفق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدرِ اول (زمانۂ اول) کو سلف صالحین کہا جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا﴾

''اور جس شخص کے سامنے واضح شکل میں ہدایت آ جائے، اس کے بعد وہ رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے کی پیروی کرے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ جانا چاہے



اور ہم اسے جہنم میں ڈالیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔"[1]

اور فرمایا:

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾

"اور مہاجرین اور انصار میں سے (قبول اسلام میں) سب سے پہلے سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنھوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"[2]

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ»

"سب سے بہتر لوگ میرے دور کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے۔"[3]

اللہ کے رسول ﷺ، آپ کے صحابہ اور ان کے تابعین، یہ اس امت کے اسلاف ہیں۔ اور جو شخص اس بات کی دعوت دے جس کی دعوت اللہ کے رسول ﷺ، آپ

---

[1] النسآء 4:115. [2] التوبة 9:100. [3] صحيح البخاري، الشهادات، حديث: 2652، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، حديث: 2533.

کے صحابہ اور ان کے تابعین نے دی، وہ اسلاف کے منہاج پر قائم ہے۔ اسی کو عربی میں مَنْهَجُ السَّلَف کہتے ہیں۔

اس سلسلے میں کسی زمانے کا تعین کرنا شرط نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ آدمی کے عقائد اور اس کا عمل و کردار ٹھیک کتاب و سنت کے مطابق ہوں اور وہ کتاب و سنت کے احکام کو اسی طرح سمجھے جس طرح اسلاف نے انھیں سمجھا تھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ فہم سلف کے مطابق کتاب و سنت کے احکام پر عمل کرے۔ یوں جو شخص کتاب و سنت کے مطابق عمل کرتا ہے وہ اسلاف کا پیروکار ہے، چاہے وہ سلف صالحین سے زمانہ اور جگہ کے اعتبار سے دور ہی ہو۔ اور جو شخص کتاب و سنت کی پیروی کے حوالے سے ان کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اسلاف سے اس کا کوئی تعلق نہیں، چاہے وہ اسلاف ہی کے دور اور انھی کے علاقے میں رہا ہو۔ رسول کریم ﷺ سلف صالحین کے امام ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ﴾

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت مہربان ہیں، آپ انھیں رکوع سجود کرتے دیکھیں گے، وہ اللہ کا فضل اور (اس کی) رضامندی تلاش کرتے ہیں، ان کی



خصوصی پہچان ان کے چہروں پر سجدوں کا نشان ہے، ان کی یہ صفت تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی صفت اس کھیتی کے مانند ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنی اور رسول کریم ﷺ کی اطاعت کا ایک ساتھ ذکر کیا اور فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝﴾

''اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، (یعنی) انبیاء، صدیقین، شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ اور یہ لوگ اچھے رفیق ہوں گے۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا، فرمایا:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝﴾

''جس نے رسول کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے (میری اطاعت سے) منہ موڑا تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔''[3]

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نہ کرنے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ فرمایا:

---

[1] الفتح 48:29، [2] النسآء 4:69، [3] النسآء 4:80۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝ ﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال باطل نہ کرو۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے ہمیں احکام نبوی کی خلاف ورزی کرنے سے منع کیا۔ فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ﴾

''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے آگے نکلے گا تو اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ نبی کریم ﷺ ہم سے جو فرمائیں، ہم اس کی تعمیل کریں اور وہ جس بات سے ہمیں منع کریں، ہم اسے ترک کر دیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾

''اور رسول تمھیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے تو اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔''[3]

اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم زندگی کے ہر معاملے میں اس کے رسول ﷺ کو فیصل بنائیں اور آپ نے ہر معاملے میں جو فیصلہ فرمایا ہے، اسے دل و جان سے تسلیم

[1] محمد 33:47. [2] النسآء 14:4. [3] الحشر 7:59.



کریں۔ فرمایا:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

''تو (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہ آنے پائے اور وہ اسے دل و جان سے مان لیں۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا کہ اس کے نبی ﷺ ہمارے لیے اسوۂ حسنہ اور وہ مثالی نمونہ ہیں جس کی ہمیں بہر حال اطاعت کرنی ہے۔ فرمایا:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴾

''بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں ہمیشہ سے بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔'' [2]

اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کو اپنے رسول ﷺ کی رضا سے وابستہ رکھا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَن يُرْضُوهُ إِن كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴾

''اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہیں کہ وہ انھیں راضی رکھیں اگر یہ لوگ

---

[1] النساء 65:4. [2] الأحزاب 21:33.

مومن ہیں۔" [1]

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی اتباع کو اپنی محبت کی علامت قرار دیا اور فرمایا:

﴿ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

"اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔" [2]

یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کو جب کوئی متنازعہ مسئلہ پیش آتا تو وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہی سے رجوع کرتے تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تم باہم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہت بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔" [3]

رسول اللہ ﷺ کے بعد سلف صالحین میں سب سے زیادہ فضیلت کی حامل شخصیات

---

[1] التوبۃ 62:9. [2] آل عمران 31:3. [3] النسآء 59:4.



صحابۂ کرام ہیں، جنھوں نے آپ سے نہایت اخلاص اور پورے صدقِ دل کے ساتھ دینی تعلیمات حاصل کیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝﴾

''مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا وہ سچ کر دکھایا، پھر ان میں سے بعض نے اپنی نذر پوری کر دی (شہادت پا گئے) اور ان میں سے بعض منتظر ہیں اور انھوں نے (اپنے عہد میں) کوئی تبدیلی نہیں کی۔''[1]

صحابۂ کرام کے بعد سلف صالحین میں سب سے زیادہ فضیلت کے حامل لوگ وہ ہیں جو ان کے بعد پہلے اور دوسرے دور میں ہوئے۔ ان کے متعلق ارشادِ نبوی ہے:

«خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ»

''سب سے بہتر لوگ میرے دور کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے۔''[2]

یوں صحابۂ کرام اور ان کے تابعین دوسروں کے مقابلے میں اتباع کیے جانے کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ان کا ایمان سچا تھا اور وہ عبادتِ الٰہی میں نہایت مخلص تھے۔ وہ عقیدے کے نگران اور شریعت کے محافظ تھے جنھوں نے قول و کردار سے اس پر عمل کیا

[1] الأحزاب 23:33. [2] صحيح البخاري، الشهادات، حديث:2652، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، حديث:2533.

تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے دین کی نشر و اشاعت اور سنت نبوی کی تبلیغ کے لیے منتخب کیا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«تَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِينَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ، إِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً» قَالَ: وَمَنْ هِيَ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: «مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي»

''میری امت تہتر ملتوں میں بٹے گی جو سب کی سب جہنم میں جائیں گی سوائے ایک ملت کے۔ صحابہ کرام نے دریافت کیا: وہ کون سی ملت ہے اللہ کے رسول؟ فرمایا: ''وہ جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔''[1]

یوں جو لوگ سلف صالحین کی پیروی کرتے اور ان کے منہاج پر قائم رہتے ہیں انھیں سلف کی نسبت سے ''سلفی'' کہا جاتا ہے۔ اس طرح ایسے لوگوں سے ان کا امتیاز ہو جاتا ہے جو سلف صالحین کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں چلتے اور ان کے نہج پر قائم نہیں رہتے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝﴾

''اور جس شخص کے سامنے واضح شکل میں ہدایت آجائے، اس کے بعد وہ رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے کی پیروی کرے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ جانا چاہے اور ہم اسے جہنم میں ڈالیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔''[2]

---

[1] جامع الترمذي، الإيمان، حديث: 2641. [2] النسآء 4:115.



اگر کوئی مسلمان سلف صالحین سے اپنی نسبت کا اظہار کرتا ہے تو اسے اس پر فخر ہونا چاہیے۔ ''سَلَفیت'' کا لفظ بھی اسی قبیل سے ہے۔ سلف صالحین نے جس طرح اسلام کو حاصل کیا، اسے سمجھا اور اس پر عمل کیا تھا، ان کے اس طریق کار کو ''سلفیت'' کہتے ہیں۔ یوں جو لوگ سلف صالحین کے فہم کے مطابق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کرتے ہیں ان کے لیے ''سَلَفیہ'' کا لفظ بولا جاتا ہے۔



اہل سنت والجماعت

سنت کی لغوی تعریف: لغت میں سنت کا لفظ سَنَّ یَسُنُّ ، وَیَسُنُّ سَنًّا سے ماخوذ ہے جس کا صیغہ اسم مفعول مَسْنُون ہے۔ سَنَّ الْأَمْرَ کے معنی ہیں کہ اس نے بات کی خوب وضاحت کی۔ سنت کا مطلب ہے طریقہ اور سیرت (چلن)، چاہے وہ اچھا طریقہ اور اچھی سیرت ہو یا برا طریقہ اور بری سیرت۔ حسب ذیل حدیث میں سنت کے یہی معنی لیے گئے ہیں۔ فرمایا:

«لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ، وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ»

''تم ان لوگوں کے طریقوں کی ضرور پیروی کرو گے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں، بالشت بر بالشت اور ہاتھ بر ہاتھ، (یعنی قدم بقدم پیروی کرو گے)۔''[1]

درج ذیل حدیث میں یہ لفظ سیرت (چلن) اور طریقے کے معنی میں آیا ہے۔ فرمایا:

«مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا، وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ، وَمَنْ سَنَّ

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3456، وصحيح مسلم، العلم، حديث: 2669.



فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً ......»

”جس نے اسلام میں کوئی اچھا چلن جاری کیا اس کے لیے اس کا اجر ہے اور ان لوگوں کا بھی اجر ہے جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل پیرا ہوں گے بنا اس کے کہ ان لوگوں کے اجر میں کسی طرح کی کوئی کمی آئے اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ رائج کیا......“[1]

سنت کی اصطلاحی تعریف: اصطلاح میں سنت سے مراد وہ طرز اور طریقہ ہے جس پر نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب علمی، اعتقادی، قولی، عملی اور تقریری لحاظ سے قائم تھے۔ تقریری سے مراد وہ قول اور فعل جس پر آپ ﷺ لوگوں کو برقرار رکھتے تھے۔ عبادات اور اعتقادات کی سنتوں پر بھی سنت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ سنت کے بالمقابل بدعت کا لفظ آتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ»

”تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ دراصل بہت اختلافات دیکھے گا، چنانچہ تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر قائم رہنا۔“[2]

جماعت کی لغوی تعریف: جماعت کا لفظ جمع سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو اکٹھا کرنا، باہم ملانا، جوڑنا۔ عربی میں کہتے ہیں جَمَعْتُهُ فَاجْتَمَعَ، یعنی میں نے اسے

---

[1] صحيح مسلم، الزكاة، حديث: 1017. [2] سنن أبي داود، السنة، حديث: 4607.

یکجا کیا تو وہ اکٹھا ہو گیا۔

یہ لفظ اجتماع سے مشتق ہے جو تفرّق (افتراق) کی ضد ہے۔ ①

یوں جماعت کے معنی ہیں لوگوں کی بڑی تعداد۔ لوگوں کی ایسی تعداد جس کا مقصد اور مطمح نظر ایک ہو، اسے بھی جماعت کہتے ہیں۔

جماعت کا اطلاق ان لوگوں پر بھی ہوتا ہے جو کسی بھی معاملے میں اکٹھے ہو جائیں۔ ②

جماعت کی اصطلاحی تعریف: اصطلاح میں جماعت سے مراد مسلمانوں کی جماعت ہے۔ اور یہ اس امت کے اسلاف کی جماعت ہے جن میں صحابۂ کرام، ان کے تابعین اور وہ تمام لوگ شامل ہیں جو تا روزِ قیامت احسان و بھلائی میں ان کے تابع ہوں اور کتاب وسنت پر اکٹھے ہوئے ہوں اور ظاہر و باطن ہر لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جماعت کی ترغیب دی ہے اور اتحاد و اتفاق سے رہنے اور باہمی تعاون کو فروغ دینے کا حکم دیا اور اختلاف وفرقہ واریت سے منع کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾

''اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو۔'' ③

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾

① اجتماع کے معنی، اکٹھا ہونا۔ تفرق کے معنی، الگ ہونا۔ ② لسان العرب، مختار الصحاح، القاموس المحیط: مادۃ ''جمع''۔ ③ آل عمران 3:103۔



''اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور ان کے پاس واضح نشانیاں آجانے کے بعد انھوں نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا۔''[1]

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«وَإِنَّ هٰذِهِ الْمِلَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ، ثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ، وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ، وَهِيَ: الْجَمَاعَةُ»

''یہ ملت تہتر (73) گروہوں میں بٹے گی۔ بہتر (72) گروہ جہنم میں جائیں گے اور ایک گروہ جنت میں۔ یہ گروہ ''جماعت'' ہی ہے۔''[2]

آپ نے ایک اور موقع پر فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ، وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ، وَهُوَ مِنَ الْإِثْنَيْنِ أَبْعَدُ. مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ، فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ»

''جماعت سے وابستہ رہنا۔ تفرقہ سے بچنا۔ شیطان تنہا آدمی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور دو سے وہ (ایک کے مقابلے میں) زیادہ دور ہوتا ہے۔ جو شخص جنت کا وسط چاہتا ہے وہ جماعت سے وابستہ رہے۔''[3]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جماعت وہ ہے جو حق کی موافقت کرے، چاہے تم اکیلے ہی ہو۔''[4]

حاصل کلام: اہل سنت والجماعت وہ لوگ ہیں جو نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب

---

[1] آل عمران 3:105. [2] سنن أبي داود، السنة، حديث: 4597. [3] جامع الترمذي، الفتن، حديث: 2165. [4] شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة.

اور ان کے تابعین کے طریقے پر قائم رہتے ہیں اور عقائد اور قول وعمل میں ان کی راہ پر چلتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت اتباعِ نبوی کو ثابت قدمی سے اختیار کرتے اور بدعات سے دور رہتے ہیں۔ یہ لوگ روزِ قیامت تک باقی رہیں گے، غالب رہیں گے اور ان کی مدد کی جائے گی۔ ان کے نقشِ قدم پر چلنا ہدایت اور ان کی مخالفت کرنا گمراہی ہے۔



اہل سنت والجماعت کی امتیازی خصوصیات

اہل سنت والجماعت کی امتیازی خصوصیات ہیں جو انھیں دوسرے گروہوں سے ممتاز کرتی ہیں، ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

① عقائد واحکام اور اخلاق وکردار کے اعتبار سے اہل سنت والجماعت میانہ رو ہوتے ہیں۔ وہ متشدد نہیں ہوتے۔ وہ افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ یوں وہ امت کے دیگر گروہوں کے مقابلے میں معتدل ہوتے ہیں جیسا کہ یہ امت دیگر امتوں کے مقابلے میں معتدل ہے۔

② وہ شریعت کا علم براہ راست کتاب وسنت سے حاصل کرتے ہیں۔ کتاب وسنت کو وہ بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ وہ سلف صالحین کے فہم کے مطابق کتاب وسنت کے احکام کی تشریح کرتے اور ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

③ اہل سنت والجماعت کا امام عالی مقام ایک ہی ہے جس کی ہر بات کو وہ قبول کرتے اور ہر اس بات کو مسترد کرتے ہیں جو اس کی بات کے خلاف ہو۔ وہ امام عالی مقام ہیں جناب رسالت مآب حضرت محمد ﷺ۔ یہی اہل سنت آپ کی مبارک سیرت، اقوال اور افعال سے سب سے زیادہ واقفیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ

سنت سے تمام لوگوں سے زیادہ محبت کرتے، سنت کی اتباع کا بہت راسخ جذبہ رکھتے اور سنت پر عمل کرنے والوں کو دوست رکھتے ہیں۔

④ وہ مذہبی تنازعات میں نہیں پڑتے۔ وہ مذہبی تنازعات میں پڑنے والوں سے الگ رہتے ہیں۔ حلال وحرام کے مسائل میں وہ لڑائی جھگڑے اور بحث تکرار سے گریز کرتے ہیں۔ وہ کامل معنوں میں دین کو پوری طرح اپناتے ہیں۔

⑤ وہ سلف صالحین کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ وہ دل کی گہرائیوں سے تسلیم کرتے ہیں کہ سلف صالحین کا طریق فکر زیادہ محتاط اور سلامتی والا، علم کے اعتبار سے بہت گہرا اور نہایت مستحکم ہے۔

⑥ نصوص میں وہ تاویل کو مسترد کرتے ہیں۔ وہ احکام شریعت کے آگے سرتسلیم خم کرتے ہیں۔ وہ نقل (نصوص) کو عقل (ذہنی تصورات و آراء) پر مقدم رکھتے ہیں۔ عقل (ذہنی تصورات) کو وہ نقل (نصوص) کے تابع کرتے ہیں۔

⑦ وہ ایک مسئلے سے متعلقہ مختلف نصوص کے درمیان جمع و موافقت تلاش کرتے اور متشابہ (نص جس میں مختلف معانی کا احتمال ہو) کو محکم (صریح المعنی، یعنی واضح مفہوم والی نص) کی طرف لوٹاتے ہیں۔

⑧ وہ حق بات پر قائم رہتے ہیں۔ اس سے رُوگردانی نہیں کرتے۔ عقیدے کے معاملات میں وہ باہم متفق رہتے ہیں۔ وہ عالم بھی ہوتے ہیں اور عبادت گزار بھی۔ وہ اللہ پر توکل کرتے ہیں اور اسباب وذرائع کو بھی اختیار کرتے ہیں۔ وہ دنیا کا مال ومتاع حاصل کرتے ہیں لیکن تقویٰ کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے۔ وہ اللہ کی ناراضی کا



خوف رکھتے ہیں اور اس کی رحمت کی امید۔ وہ اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں اور اللہ کے لیے نفرت۔ وہ مسلمانوں کے لیے نرم ہوتے ہیں اور کافروں کے مقابلے میں سخت۔ زمان ومکان کے بدلنے سے وہ بدلتے نہیں۔ یوں وہ صلحا کے لیے قابل اتباع نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں جو دوسروں کے لیے حق کی رہنمائی کرتے اور انھیں صراط مستقیم کا پتہ بتاتے ہیں۔

⑨ وہ اسلام اور سنت و جماعت کے سوا اور کوئی تعارف اختیار نہیں کرتے۔

⑩ وہ صحیح عقائد اور دین معتدل کی تعلیمات پھیلانے پر بڑی توجہ دیتے ہیں۔ وہ لوگوں کو دین کی باتیں بتاتے ہیں، وہ ان کی رہنمائی کرتے، انھیں نیکی کا درس دیتے اور ان کے معاملات کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔

⑪ وہ اپنے اقوال، عقائد اور دعوت کے حوالے سے سب سے زیادہ پختہ اور ثابت قدم ہوتے ہیں۔

⑫ ان کی یہ بھرپور کوشش ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں اجتماعیت والفت قائم رہے اور وہ فرقہ واریت کا شکار نہ ہوں۔ وہ لوگوں کو متحد رہنے اور اختلاف سے بچنے کی تاکید کرتے ہیں۔

⑬ اللہ تعالیٰ نے اہل سنت والجماعت کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ وہ مسلمانوں پر کفر کے فتوے لگائیں۔ وہ اگر کسی پر کوئی حکم لگاتے ہیں تو پوری تحقیق کے بعد عین انصاف کا حکم لگاتے ہیں۔

⑭ اہل سنت والجماعت آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے



کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں۔ باہمی تعاون کو فروغ دیتے ہیں۔ ایک دوسرے کی کمی کوتاہی کا تدارک کرتے ہیں۔ وہ محبت کرتے ہیں تو صرف اللہ کے لیے اور عداوت رکھتے ہیں تو وہ بھی محض اللہ کے لیے۔

الغرض وہ نہایت با اخلاق، بہت روشن خیال، بڑے وسیع ذہن کے حامل، نہایت باریک بین اور دور اندیش ہوتے ہیں۔ اختلافی مسائل کے سلسلے میں وہ بہت کھلے دل کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ دوسرے کا نقطہ نظر بڑی کشادہ دلی سے سنتے ہیں۔ وہ اختلاف کے آداب پوری طرح ملحوظ رکھتے اور اس کے اصول وضوابط کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ اطاعت باری تعالیٰ کے ذریعے سے تزکیۂ نفس پر خاص توجہ دیتے ہیں۔

حاصل کلام: اہل سنت والجماعت ہی وہ ملت ہے جس کے لیے نبی اکرم ﷺ نے نجات کی بشارت دی ہے۔ اس خصوصیت کا تمام تر دارو مدار اتباع سنت پر ہے، نیز سنت سے عقائد، عبادات، سیرت، گفتار و کردار اور مسلمانوں کی جماعت سے وابستہ رہنے کی جو تعلیمات حاصل ہوتی ہیں، اس خصوصیت کا انحصار ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔

یوں اہل سنت والجماعت کی تعریف، سلف کی تعریف سے باہر نہیں۔ ہم یہ جان چکے ہیں کہ سلف کتاب وسنت پر عمل کرتے تھے۔ اس طرح سلف اہل سنت ہیں جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے اور اہل سنت سلف صالحین اور ان کے نہج پر چلنے والے لوگ ہیں۔

اہل سنت والجماعت کے یہ مخصوص معنی اس اصطلاح کے مفہوم کو اچھی طرح متعین اور واضح کر دیتے ہیں۔ یوں خوارج، جہمیہ، قدریہ، معتزلہ، مرجئہ، روافض اور ان جیسے



دیگر بدعتی اور گمراہ فرقے اہل سنت والجماعت کے مفہوم سے خارج ہیں۔

سنت یہاں بدعت کے مقابلے میں آرہی ہے اور جماعت تفرقہ کے مقابلے میں۔ جماعت سے وابستہ رہنے اور تفرقہ پردازی سے بچنے کے متعلق جو احادیث آتی ہیں، ان کا بھی یہی مقصود ہے۔ قرآن مجید کے ترجمان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ کی تفسیر میں یہی بات بیان فرمائی ہے۔ انھوں نے کہا: ''اہل سنت والجماعت کے چہرے روشن ہوں گے اور اہل بدعت وتفرقہ کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔''[1]

''سلف صالحین'' کی ترکیب ''اہل سنت والجماعت'' کی اصطلاحی ترکیب کے مترادف ہے۔ ان کے لیے اہل اثر (اثر: روایت)، اہل حدیث، طائفہ منصورہ، فرقہ ناجیہ اور اہل اتباع جیسی اصطلاحیں بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ نام اور یہ اصطلاحیں علمائے سلف سے اخذ کی گئی ہیں۔



[1] تفسیر ابن کثیر: 390:1.

عقیدۂ اہل سنت والجماعت کی خصوصیات

سلف صالحین ہی کا عقیدہ لائق اتباع کیوں ہے؟: صحیح عقیدہ دین کی اساس اور بنیاد ہے۔ جو بات اس اساس پر قائم نہیں، اسے بالآخر مٹ جانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کے دلوں میں اس عقیدے کی جڑیں مضبوط کرنے پر خصوصی توجہ دی تاکہ مستحکم بنیادوں پر رجالِ کار تیار ہو جائیں۔ مکہ میں نزولِ قرآن کے تیرہ برس عقیدۂ توحید ہی کی پختگی پر صرف کیے گئے۔ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر رسول اکرم ﷺ مکہ میں صرف اسی کی دعوت دیتے اور اسی پر اپنے اصحاب کی تربیت کرتے رہے۔

صحیح اور خالص عقائد کی وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ سلف صالحین کے عقائد کا مطالعہ کیا جائے اور لوگوں کو اس طرف لانے اور انھیں گروہ بندیوں اور اختلافات سے بچانے کی سنجیدہ کوشش کی جائے۔ داعیانِ اسلام کو جس بات کی دعوت سب سے پہلے دینی چاہیے وہ صحیح عقائد کو اختیار کرنے کی دعوت ہے۔

سلف صالحین کے عقائد کی چند امتیازی خصوصیات جو ان کے عقائد کی قدر و قیمت



کا احساس دلاتی اور انھیں اپنانے کی اہمیت کا شعور دلاتی ہیں، یہ ہیں:

① فرقہ واریت سے نجات پانے اور مسلمانوں کو عموماً اور علماء و دُعاۃ کو خصوصاً اتحاد و اتفاق کی راہ پر گامزن کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ سلف صالحین کے عقائد اپنائے جائیں کیونکہ یہ عقائد وحی الٰہی اور سیرت نبوی سے ماخوذ ہیں اور صحابۂ کرام بھی انھی عقائد کو اپنائے ہوئے تھے۔

اس عقیدے کو چھوڑ کر دوسرے جس بھی عقیدے پر اتفاق کیا گیا، اس کا انجام فرقہ واریت اور انتشار و افتراق کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔ وہی فرقہ واریت اور نا اتفاقی جس کے مظاہرے اور شدید نقصانات ہم آج کل مسلم معاشرے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا﴾

”اور جس شخص کے سامنے واضح شکل میں ہدایت آجائے، اس کے بعد وہ رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے کی پیروی کرے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ جانا چاہے اور ہم اسے جہنم میں ڈالیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔“[1]

② یہی عقیدہ مسلمانوں کو باہمی اتحاد و اتفاق سے روشناس کرائے گا۔ اسی کے ذریعے سے حق بات پر ان کا اتفاق رائے ہوگا کیونکہ اس عقیدے کو اپنانا اللہ تعالیٰ کے اس

[1] النسآء 4:115.

فرمانِ عالی شان کی تعمیل ہے: ﴿ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ﴾

''اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو۔'' [1]

مسلمانوں کے اختلافات کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا طریقۂ کار اور احکام کے مصادر و ذرائع ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ عقیدے کے باب میں اگر ان کا ذریعہ و مصدر ایک ہو جائے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں تھا تو ان کے اختلافات کا یک قلم خاتمہ ہو جائے گا۔

③ اس عقیدے کو اپنانے سے آدمی کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی عظمت و محبت سے قائم ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ حدوں سے تجاوز نہیں کرتا کیونکہ عقیدہ سلف صالحین کا منبع قال اللہ وقال الرسول ہے اور یہ عقیدہ ہر طرح کی گمراہی، تمام شکوک و شبہات، فلسفہ، منطق اور عقلیت جیسے خارجی عوامل و عناصر کے اثرات سے یکسر پاک ہے۔ اس عقیدے کا ماخذ صرف اور صرف کتاب و سنت ہے۔

④ یہ عقیدہ نہایت سہل، آسان اور بہت روشن ہے۔ اس میں کوئی پیچ وخم نہیں، کوئی الجھاؤ نہیں۔ کوئی ابہام نہیں، یہ آسانی سے پوری طرح قابل فہم ہے۔ یہ ہر قسم کی تحریف و تبدیلی سے پاک ہے۔ اس عقیدے پر ایمان لانے والا شخص خود کو نہایت مطمئن اور ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے۔ وہ شکوک و شبہات توہمات اور شیطانی حربوں اور وسوسوں کا شکار نہیں ہوتا۔ یہ جان کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں کہ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا منہج

---

① آل عمران 103:3۔



اختیار کر کے سیرت وطریقہ نبوی پر عمل پیرا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝﴾

''بس (سچے) مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انھوں نے شک نہ کیا اور انھوں نے اپنے اموال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے (مومن) ہیں۔''①

⑤ اس عقیدے پر ایمان لانے سے آدمی کو اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور وہ اس کی رضا پانے میں کامیاب ہوتا ہے۔

عقیدے کی یہ امتیازی خصوصیات اہل سنت والجماعت کو حاصل ہوتی ہیں اور یہ خوبیاں زمان ومکان کے بدل جانے سے تبدیل نہیں ہوتیں۔ والحمد للہ②

---

① الحجرات 15:49. ② اس تفصیل سے واضح ہوا کہ یہ دعویٰ قطعاً درست ثابت نہیں کہ ''سلفیت ایک دور (زمانی مرحلے) کا نام ہے نہ کہ وہ کوئی اسلامی مسلک (مکتب فکر) ہے۔'' یہ دعویٰ اس لیے ٹھیک نہیں کہ سلف صالحین کا مسلک دو عظیم بنیادوں پر استوار ہے، بہترین نمونہ اور صحیح و قابل اتباع منہاج۔ بہترین نمونہ سے مراد صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین ہیں جو اسلام کے تین اوّلین ادوار میں ہو گزرے ہیں۔ صحیح وقابل اتباع منہاج سے مراد وہ طریقہ ہے جو ان تین ادوار کے دوران میں فہم عقائد، احکام کے استدلال، علم وایمان اور شریعت کے دیگر تمام پہلوؤں کے سلسلے میں زیر عمل رہا ہے۔ یوں سلفیت کو اپنانا ہر شخص کے لیے بڑی تعریف کی بات ہے جو اسے اپنے لیے ایک نمونہ اور منہاج کے طور پر اپناتا ہے کیونکہ یہ اس کے سلف صالحین کی میراث ہے جو نبی کریم ﷺ کی شہادت کے مطابق اس امت کے بہترین لوگ ہیں، تاہم اس کے مطابق عقیدہ کی تشکیل اور عمل کیے بغیر صرف نام کی حد تک سلفیت کو اپنانا کچھ قابل تعریف نہیں کیونکہ اعتبار معانی ومفاہیم کا ہے نہ کہ الفاظ واصطلاحات کا۔



عقیدۂ سلف صالحین (اہل سنت والجماعت) کے اصول

اہل سنت والجماعت جو سلف صالحین کے طریقے پر چلتے ہیں، وہ عقائد اور عمل و کردار کے حوالے سے واضح اور ثابت شدہ اصولوں پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ یہ اصول سلف صالحین کے فہم کے مطابق کتاب وسنت سے اخذ کیے گئے ہیں۔

اصول دین کو نبی کریم ﷺ نے بڑی وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ اب کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اصول دین میں کسی نئے اصول کا اضافہ کرے اور یہ دعویٰ کرے کہ وہ اصول دین کا حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت اصول دین پر قائم رہتے ہیں۔ وہ بدعتی الفاظ کے استعمال سے گریز کرتے ہوئے شرعی الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ یوں سلف صالحین کے حقیقی تسلسل کا پتہ چلتا ہے۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک جو اصول دین ثابت ہیں، ذیل میں اجمالی طور پر ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ایمان اور ارکانِ ایمان

سلف صالحین (اہل سنت والجماعت) کے اصولِ ایمان کے حوالے سے عقائد کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کے ان چھے ارکان پر پختہ یقین رکھا جائے اور انھیں سچ مانا جائے جن کا ذکر حدیث جبریل علیہ السلام میں آیا ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے ایمان کے بارے میں سوال کیا تھا تو آپ نے ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا:

«أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ»

''یہ کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسول پر اور یومِ آخرت پر اور تم ایمان لاؤ اچھی اور بری تقدیر پر۔''[1]

ایمان ان 6 ارکان پر قائم ہے۔ ان میں سے ایک بھی رکن گر جائے تو آدمی مومن نہیں رہتا، اس لیے کہ ایمان کا ایک رکن موجود نہیں۔ ایمان تو اپنے تمام ارکان ہی پر

---

[1] صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 8.



قائم رہ سکتا ہے جس طرح عمارت اپنے تمام ستونوں پر قائم رہ سکتی ہے۔

یہ 6 باتیں ایمان کے ارکان ہیں۔ ان باتوں پر اس طرح ایمان لائے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا جس طرح کتاب وسنت نے بتایا ہے۔ جو شخص ان میں سے کسی بات کا انکار کرتا ہے وہ مومن نہیں۔

اب ذیل میں تمام ارکان کی تفصیل بیان کی جاتی ہے:

إيمان بالله (اللہ پر ایمان لانا): ایمان باللہ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی وجود باری تعالیٰ کو یقینی طور پر سچ مانے اور یہ تسلیم کرے کہ اللہ تعالیٰ تمام صفاتِ کمال اور خصائصِ جلال (عظمت کی صفات) کا مالک ہے، نیز وہ صدقِ دل سے یہ باور کرے کہ اکیلا وہی عبادت کا مستحق ہے۔ آدمی کا دل ان باتوں پر اس طرح مطمئن ہو کہ اس اطمینان کے اثرات اس کے عمل وکردار میں صاف دکھائی دیں۔ اس عقیدے کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرے اور اس کی منع کردہ باتوں سے اجتناب کرے۔

ایمان باللہ اسلامی عقیدے کی بنیاد اور اس کا لب لباب ہے۔ یہ اصل ہے اور عقیدہ کے دیگر تمام ارکان اس کی فروعات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانا اور اس حقیقت پر ایمان لانا کہ تنہا وہی عبادت کا مستحق ہے، ایمان باللہ میں شامل ہے۔

وجود باری تعالیٰ میں ہرگز کوئی شک نہیں۔ یہ حقیقت ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ فطرت اور شریعت اس حقیقت کا پتہ دیتی ہے اور عقل وحواس اس کی گواہی دیتے ہیں۔



توحید کی تین اقسام پر ایمان لانا، ان کا اعتقاد رکھنا، اقرار کرنا اور ان کے مطابق عمل کرنا، ایمان باللہ میں شامل ہے۔ توحید کی تین اقسام یہ ہیں: توحید رُبوبیت، توحید اُلوہیت اور توحید اسماء و صفات۔ ان میں سے ہر ایک کی تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

① توحید رُبوبیت: توحیدِ رُبوبیت کا مطلب یہ ہے: آدمی اس بات کا یقینی اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا واحد ربّ اور تنہا مالک ہے۔ اس امر میں اس کا مطلق کوئی شریک نہیں۔ تن تنہا وہی ہر شے کا واحد خالق ہے۔ وہی کائنات کا نظام چلاتا ہے اور اس میں جس طرح چاہے تصرف اور ردّ و بدل کرتا ہے۔ وہی سب کو رزق دیتا ہے۔ وہی زندہ کرتا ہے۔ وہی مارتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے فیصلوں پر ایمان لانا اور یہ تسلیم کرنا کہ وہ اپنی ذات میں ایک بالکل یکہ و تنہا ہے، توحیدِ ربوبیت میں شامل ہے۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے افعال کے سلسلے میں ایک ماننا توحید ربوبیت ہے۔

قرآن مجید سے توحید ربوبیت کے چند دلائل یہ ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ﴾

''سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔''[1]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۗ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ﴾

''آگاہ رہو! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کا کام ہے، اللہ رب العالمین بہت

---

[1] الفاتحة 2:1.

بابرکت ذات ہے۔''[1]

فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾

''وہی ہے (اللہ) جس نے تمھارے لیے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔''[2]

نیز فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾

''بلاشبہ اللہ تو خود بہت زیادہ رزق دینے والا، قوت والا، نہایت طاقت ور ہے۔''[3]

توحید کی اس قسم سے قریش کے کافروں کو اختلاف نہیں تھا۔ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کی بھی اکثریت کو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ وہ سب یہ مانتے ہیں کہ اس کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾

''اور بلاشبہ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کیے اور (کس نے) سورج اور چاند خدمت پر لگائے تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے۔''[4]

اور فرمایا:

﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ

[1] الأعراف 54:7. [2] البقرة 29:2. [3] الذاريات 58:51. [4] العنكبوت 61:29.



شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ فَأَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ بَلْ أَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝﴾

"(اے نبی!) آپ (ان سے) پوچھیں: اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ) کس کی ہے یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے؟ وہ ضرور کہیں گے: اللہ ہی کی ہے، کہہ دیجیے: کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ آپ پوچھیں: ساتوں آسمانوں کا رب اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے؟ وہ ضرور کہیں گے: (یہ) اللہ ہی کے ہیں، کہہ دیجیے: کیا پھر تم ڈرتے نہیں؟ آپ (پھر) پوچھیں: کس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے، جبکہ وہی پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کسی کو پناہ نہیں دی جا سکتی، اگر تم جانتے ہو؟ وہ ضرور کہیں گے: (بادشاہی) اللہ ہی کی ہے، کہہ دیجیے: پھر کہاں سے تم پر جادو کیا جاتا ہے؟ بلکہ ہم ان کے پاس حق لائے ہیں اور بلاشبہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔"[1]

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے دل فطری طور پر اس حقیقت کو مانتے ہیں کہ اس کائنات کا ربّ اللہ تعالیٰ ہے، تاہم توحید کی صرف اسی قسم کا اعتقاد رکھنے والا شخص موحد نہیں کہلائے گا جب تک وہ توحید کی دوسری قسم، توحید اُلوہیت پر ایمان نہیں لاتا۔

② توحید اُلوہیت: توحید اُلوہیت کا مطلب ہے بندوں کے افعال کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا۔ اسے توحیدِ عبادت بھی کہتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں: آدمی اس بات کا یقینی اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہی معبودِ برحق ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

[1] المؤمنون 23:84-90.

اس کے سوا ہر معبود جھوٹا اور باطل ہے۔ سچا معبود صرف اللہ تعالیٰ ہے، نیز وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اسی کے حضور عاجزی کا اظہار کرے، بلا مشروط اسی کی اطاعت کرے، اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ نماز، روزہ، زکاۃ، حج، دعا، امداد طلبی، نذر و نیاز اور قربانی جیسی عبادتیں وہ صرف اللہ کے لیے انجام دے۔ توحیدِ الوہیت میں یہ بھی شامل ہے کہ آدمی صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرے، اسی کی ناراضی کا خوف کھائے، اسی کی رحمت کا امیدوار رہے، وہ اس سے محبت کرے اور تمام ظاہری و باطنی عبادتیں اسی کے لیے کرے۔

محبت، خوف اور امید، ان تینوں جذبوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیے۔ ان میں سے کسی ایک بات کو لے کر اور دوسری باتوں کو چھوڑ کر عبادت کرنا گمراہی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾

''(اے رب!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔'' [1]

اور فرمایا:

﴿وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ﴾

''اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو یقیناً اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے، بے شک حقیقت یہ ہے کہ کافر فلاح نہیں پائیں گے۔'' [2]

[1] الفاتحة 5:1. [2] المؤمنون 117:23.



توحید اُلوہیت ہی وہ توحید ہے جس کی دعوت سب رسولوں نے دی۔ اسی توحید کے انکار نے گزشتہ امتوں کو ہلاکت میں ڈالا۔

توحید اُلوہیت دین کا اوّل وآخر اور ظاہر وباطن ہے۔ رسولوں کی پہلی اور آخری دعوت یہی تھی۔ اسی کے لیے رسولوں کو بھیجا گیا، کتابیں اتاری گئیں اور جہاد کی تلواریں کھینچی گئیں۔ اسی توحید نے مسلمانوں اور کافروں کو، اہل جنت اور اہل جہنم کو الگ الگ کیا۔ (لا الہ الا اللہ) سے مراد یہی توحید ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ ﴾

’’اور آپ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ بے شک میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو۔‘‘[1]

اللہ جو ربّ ہے، جو خالق ہے، جو رازق ہے، جو مالک ہے، جو تصرف کرنے والا، زندہ کرنے اور مارنے والا ہے، جو تمام صفاتِ کمال کا مالک اور ہر نقص سے پاک ہے، ہر شے جس کے ہاتھ میں ہے، ضروری ہے کہ وہی معبودِ واحد ہو جس کا کوئی شریک نہیں۔ ضروری ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ ﴾

’’اور میں نے جن اور انسان اسی لیے پیدا کیے ہیں کہ وہ میری عبادت کریں۔‘‘[2]

توحید ربوبیت، توحید اُلوہیت کا تقاضا کرتی ہے، ان دونوں باتوں پر ایمان رکھنا

[1] الأنبیاء 25:21. [2] الذاریات 56:51.

شرط لازم ہے لیکن مشرکوں کی حالت مختلف تھی، وہ توحید ربوبیت کا اعتراف کرتے تھے لیکن توحید الوہیت کے منکر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف اسی دلیل سے استدلال فرمایا کہ جب تم اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق و رازق، کائنات کا مدبر و منتظم اور متصرف ہے تو پھر تم اس حقیقت پر ایمان کیوں نہیں لاتے کہ تنہا اللہ تعالیٰ ہی معبودِ برحق ہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ تم ملزوم کو مانتے ہو مگر لازم کی نفی کرتے ہو۔ یہ کھلا تضاد ہے اسے عقل سلیم اور فطرت مستقیم کبھی باور نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی توحید ربوبیت کو مانے اور توحید الوہیت کو نہ مانے تو یہ شخص مومن نہیں۔ مشرکین مکہ توحید ربوبیت کو مانتے تھے، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے انھیں اہل ایمان قرار نہیں دیا بلکہ انھیں کافر ہی کہا کیونکہ وہ عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے۔

چنانچہ یہی وہ موقع ہے جہاں سلف صالحین کا عقیدۂ اُلوہیت دوسروں سے ممتاز اور مختلف ہو جاتا ہے۔ دوسروں کی طرح وہ توحید کے صرف یہ معنی نہیں کرتے کہ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں، توحید اُلوہیت کے تقاضے ان کے نزدیک دو بنیادی باتوں کے بغیر پورے نہیں ہوتے:

پہلی بات، ہر قسم کی عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کی جائے، خالق کا کوئی حق مخلوق کو نہ دیا جائے اور خالق کی کوئی خصوصیت مخلوق میں نہ ٹھہرائی جائے، یعنی نہ تو اللہ کے سوا کسی کی پرستش کی جائے، نہ اس کے سوا کسی کے لیے نماز پڑھی جائے، نہ اس کے سوا کسی کو سجدہ کیا جائے، نہ اس کے سوا کسی کے لیے منت مانی جائے



اور نہ اس کے سوا کسی پر توکل کیا جائے۔ توحید اُلوہیت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کی جائے۔

عبادت دو طرح کی ہے، دل و زبان کا کلام اور دل اور کام کرنے والے دیگر اعضائے بدن کا عمل۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝﴾

''کہہ دیجیے: بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت، (سب کچھ) اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی (بات، یعنی توحید) کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔'' [1]

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ﴾ ''سنو! خالص بندگی اللہ ہی کے لیے ہے۔'' [2]

دوسری بات، عبادت، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کے مطابق ہونی چاہیے۔

یوں عبادت، اطاعت اور خشوع و خضوع کے حوالے سے توحید الٰہی کو اپنایا جائے تو (لا الٰہ الا اللہ) کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔ اور اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی کامل اتباع کرنے سے (محمد رسول اللہ) کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔

[1] الأنعام 6:162، 163۔ [2] الزمر 39:3۔

اس سلسلے میں اہل سنت والجماعت کا منہاج اور طریقہ یہ ہے:

اہل سنت والجماعت، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ وہ صرف اللہ سے مانگتے ہیں۔ وہ صرف اللہ سے مدد چاہتے ہیں۔ اس کے سوا وہ کسی سے امداد کے طالب نہیں ہوتے۔ وہ صرف اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ وہ اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ وہ عبادت کرکے، نیک کام کرکے اور اطاعت کرکے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل کرتے ہیں: ﴿ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ﴾

"اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔"[1]

③ **توحید اسماء وصفات:** توحید اسماء وصفات کا مطلب یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے اچھے نام (اسمائے حسنیٰ) اور سب سے بلند صفات ہیں۔ وہ تمام صفاتِ کمال کا مالک اور تمام صفاتِ نقص سے مکمل طور پر پاک ہے۔ یہ خصوصیت اس کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں۔

اہل سنت والجماعت، ربّ تعالیٰ کو اس کی ان صفات سے پہچانتے ہیں جو کتاب و سنت میں آئی ہیں۔ وہ ربّ تعالیٰ کو انھی صفات کا مالک بتاتے ہیں جو خود اس نے اور رسول اللہ ﷺ نے بتائی ہیں۔ وہ الفاظ کو ان کی اصل سے ہٹا کر ان کے معنی نہیں بدلتے۔ وہ اسماء وصفات کے سلسلے میں الحاد کی راہ اختیار نہیں کرتے۔[2] وہ اللہ تعالیٰ

---

① النسآء 36:4. ② الحاد کا مطلب ہے راہ حق سے ہٹ جانا، راہ ہدایت سے انحراف کرنا، صفات باری کی تعطیل (نفی)، تحریف، (معنوں کی تبدیلی) تکییف (بیان کیفیت) اور تمثیل (بیان مثال) اسی الحاد میں شامل ہے۔



کے لیے انھی اسماء وصفات کو ثابت کرتے ہیں جو اس نے اپنے لیے ثابت کیے ہیں۔ وہ اس کے اسماء وصفات کو مخلوق میں سے کسی کے اسماء وصفات کے مثل قرار نہیں دیتے۔ وہ صفاتِ باری تعالیٰ کی کیفیت بیان نہیں کرتے۔ وہ بعض یا تمام صفاتِ باری تعالیٰ کی نفی اور تعطیل نہیں کرتے۔ وہ صفاتِ باری تعالیٰ کے معنوں میں کوئی ردّ و بدل نہیں کرتے۔ وہ ان کے معنی کو ان کے ظاہر سے نہیں ہٹاتے۔ اس سلسلے میں اہل سنت والجماعت کے بنیادی دلائل دو آیات ہیں:

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾

''اس کی مثل کوئی چیز نہیں، اور وہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔'' [1]

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

''اور اللہ ہی کے ہیں سب سے اچھے نام، لہٰذا تم اسے ان (ناموں) سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں کے بارے میں سیدھے راستے سے ہٹتے ہیں۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں، جلد اس کی سزا پائیں گے۔'' [2]

اہل سنت والجماعت، صفاتِ باری تعالیٰ کی کیفیت بیان نہیں کرتے کیونکہ باری تعالیٰ نے اپنی صفات کی کیفیت نہیں بتائی۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خود اس سے بڑھ کر کوئی نہیں جانتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ ءَأَنتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ﴾

---

[1] الشورٰی 11:42۔ [2] الأعراف 180:7۔

”کہہ دیجیے: کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ؟“ [1]

اور فرمایا:

﴿فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْأَمْثَالَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

”لہٰذا تم اللہ کے لیے مثالیں نہ بیان کرو۔ بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“ [2]

اللہ تعالیٰ کے بعد اس کے رسول ﷺ سے بڑھ کر اس کے بارے میں اور کوئی نہیں جانتا۔ جس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝﴾

”اور وہ (اپنی) خواہش سے نہیں بولتا۔ وہ وحی ہی تو ہے جو (اس کی طرف) بھیجی جاتی ہے۔“ [3]

اہل سنت والجماعت اس امر پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی اول ہے، اس سے پہلے کچھ نہیں۔ وہی آخر ہے جس کے بعد کچھ نہیں۔ وہی ظاہر ہے جس کے اوپر کچھ نہیں۔ وہی باطن ہے جس کے سامنے کوئی شے مخفی (کچھ) نہیں جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝﴾

”وہی اول ہے اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے اور وہی ہر شے کو خوب جاننے والا ہے۔“ [4]

جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کسی اور ذات کی طرح نہیں اسی طرح اس کی صفات

---

[1] البقرة 2:140، [2] النحل 16:74، [3] النجم 53:3، 4، [4] الحديد 57:3



بھی کسی اور کی صفات کی طرح نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ہم نام نہیں، نہ اس کا کوئی ہمسر و ہم پلہ ہے نہ کوئی اس جیسا ہے۔ اسے اس کی مخلوق پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ یوں اہل سنت والجماعت، اللہ تعالیٰ کے لیے وہی ثابت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لیے ثابت کیا ہے، تاہم ان کے اثبات میں تمثیل نہیں۔ مطلب یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی صفات ثابت کرتے ہیں لیکن ان صفات کو وہ کسی مخلوق کی صفات کی طرح قرار نہیں دیتے۔ اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کو صفاتِ نقص سے پاک قرار دیتے ہیں لیکن ان کے اس عقیدے میں تعطیل کا کوئی گزر نہیں۔ مطلب یہ کہ وہ صفاتِ باری تعالیٰ کی نفی نہیں کرتے۔[1]

اہل سنت والجماعت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ وہ ہر شے کا خالق ہے۔ وہی ہر زندہ کو رزق عطا کرتا ہے۔ اس نے فرمایا:

﴿ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝ ﴾

”کیا (بھلا) وہ نہ جانے گا جس نے (سب کو) پیدا کیا اور وہ نہایت باریک بین، بہت باخبر ہے۔“[2]

اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ ۝ ﴾

”بلاشبہ اللہ تو خود بہت زیادہ رزق دینے والا، قوت والا، نہایت طاقت ور ہے۔“[3]

اہل سنت والجماعت اس امر پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سات آسمانوں سے

---

[1] یہ بھی معلوم رہے کہ یہ تخیل کرنا جائز نہیں کہ اللہ کی ذات کیسی ہے اور اس کی صفات کیسی ہیں۔

[2] الملك 14:67. [3] الذاریات 58:51.

اوپر، اپنی مخلوق سے الگ تھلگ، عرش پر مستوی ہے۔[1] اس کے علم نے ہر شے کا احاطہ کر رکھا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سات آیات میں یہ باتیں بتائی ہیں اور ان باتوں کی کیفیت اس نے بیان نہیں کی۔[2]

ارشاد فرمایا: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ ﴾ ''وہ رحمٰن ہے، عرش پر مستوی ہے۔''[3] اور فرمایا: ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﴾ ''پھر وہ عرش پر مستوی ہو گیا۔''[4]

اور فرمایا:

﴿ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ

---

[1] عرش پر مستوی ہونا اور بلند ہونا باری تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں جنھیں ہم اسی طرح ثابت کرتے ہیں جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ ''مستوی ہوا'' کے معنی سلف صالحین کے نزدیک یہ ہیں: ''قرار پایا۔ بلند ہوا۔ مرتفع ہوا۔ چڑھا۔'' سلف صالحین استوا کے یہی معنی بیان کرتے ہیں۔ وہ ان سے تجاوز نہیں کرتے نہ ان میں کچھ اضافہ کرتے ہیں۔ استوا کی جو تفسیر انھوں نے بیان کی ہے اس میں کہیں یہ معنی بیان نہیں کیے گئے: ''وہ چھا گیا، وہ مالک بنا، وہ غالب آیا۔'' استوا کی کیفیت نامعلوم ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، تاہم اس پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ یہ کتاب وسنت کے واضح دلائل سے ثابت ہے۔ استوا کی کیفیت کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے کیونکہ کیفیت کو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا اور اس لیے بھی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اکرم ﷺ سے اس کے بارے میں کبھی سوال نہیں کیا۔ [2] یہ آیات بالترتیب یہ ہیں: الأعراف: 54، یونس: 3، الرعد: 2، طٰہٰ: 5، الفرقان: 59، السجدة: 4، الحدید: 4. [3] طٰہٰ 5:20، امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: ''اہل علم نے اس کے بارے میں اتفاق رائے (اجماع) کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور وہ ساتویں زمین کی تہ میں بھی ہر شے کا علم رکھتا ہے۔'' ان کا یہ قول امام ذہبی رحمہ اللہ نے ''العلو للعلي الغفار'' میں نقل کیا ہے۔ [4] الحدید 4:57.



نَذِيرِ ۝﴾

''کیا تم اس (اللہ) سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان (بلندی) میں ہے، یہ کہ وہ تمھیں زمین میں دھنسا دے تو ناگہاں وہ لرزنے لگے؟ یا تم اس (اللہ) سے بے خوف ہوگئے ہو جو آسمان میں ہے، یہ کہ وہ تم پر پتھراؤ کرنے والی آندھی بھیجے؟ پھر جلد تم جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے؟''[1]

اور فرمایا: ﴿ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ﴾

''اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل انھیں اوپر اٹھاتا ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ آسمانوں میں بلند ہے، اس کا پتہ اس حدیث سے بھی چلتا ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: «أَلَا تَأْمَنُونِي وَأَنَا أَمِينُ مَنْ فِي السَّمَاءِ؟»

''کیا تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے، حالانکہ میں اس ذات کا امین (امانت دار اور قابلِ اعتماد) ہوں جو آسمان میں ہے۔''[3]

اہل سنت والجماعت اس امر پر ایمان رکھتے ہیں کہ کرسی اور عرش کا فی الواقع وجود ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ۚ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝﴾

''اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو گھیر رکھا ہے اور اسے ان دونوں کی

[1] الملك 67:16، 17. [2] فاطر 35:10. [3] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4351، وصحيح مسلم، الزكاة، حديث: 1064.

حفاظت نہیں تھکاتی اور وہ بلند تر نہایت عظمت والا ہے۔''[1]

عرش کتنا بڑا ہے، یہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ عرش پر کرسی اس طرح ہے جیسے زمین و آسمان پر پھیلے ہوئے میدان میں ایک کڑا رکھا ہو۔ اللہ تعالیٰ عرش اور کرسی سے بے نیاز ہے۔ وہ عرش پر اس لیے مستوی نہیں کہ اسے عرش کی ضرورت ہے بلکہ وہ کسی حکمت کی وجہ سے عرش پر مستوی ہے جسے وہی جانتا ہے لیکن وہ اس بات سے پاک ہے کہ وہ عرش کا یا کسی اور شے کا محتاج ہو۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ کسی شے کا محتاج ہو بلکہ عرش اور کرسی تو اللہ ہی کی قدرت اور طاقت سے کھڑے ہیں۔

اہل سنت والجماعت اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تخلیق کیا۔ اور یہ کہ اس کے دونوں ہاتھ داہنے اور کشادہ ہیں۔ وہ جیسے چاہتا ہے، خرچ کرتا ہے جیسا کہ اس نے اپنے متعلق خود فرمایا:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ﴾

''اور یہودیوں نے کہا: اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ انھی کے ہاتھ باندھے گئے اور ان پر ان کے اس قول (ان کی اس بکواس) کی وجہ سے لعنت کی گئی بلکہ اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔''[2]

---

[1] البقرة 2:255. [2] المآئدة 5:64.



اور فرمایا: ﴿ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ﴾

"اللہ نے فرمایا: اے ابلیس! تجھے کس چیز نے اس (آدم) کو سجدہ کرنے سے منع کیا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا؟"[1]

اہل سنت والجماعت، اللہ تعالیٰ کے لیے سماعت، بصارت، علم، قدرت، قوت، عزت، کلام (گفتگو)، حیات، قدم، پنڈلی، ہاتھ اور معیت (ساتھ ہونا) اور دیگر وہ سب صفات ثابت کرتے ہیں جن کے متعلق اس نے قرآن مجید میں اور زبان نبوی سے بتایا ہے کہ وہ ان صفات کا حامل ہے۔ وہ ان صفات کو ان کی کیفیت کے ساتھ ثابت کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہم صفاتِ الٰہی کی کیفیت نہیں جانتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے بارے میں نہیں بتایا۔ فرمایا:

﴿ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۝ ﴾

"بلاشبہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں سنتا اور دیکھتا ہوں۔"[2]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾

"اور وہی خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔"[3]

اور فرمایا: ﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝ ﴾

"اور اللہ نے موسیٰ سے (خاص طور پر) کلام کیا۔"[4]

نیز فرمایا: ﴿ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ ﴾

"اور آپ کے رب کا چہرہ باقی رہے گا، جو بڑی عظمت اور احترام والا ہے۔"[5]

---

[1] صٓ 75:38. [2] طٰہٰ 46:20. [3] التحریم 2:66. [4] النسآء 164:4. [5] الرحمٰن 27:55.

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾

''اللہ فرمائے گا: یہ ایسا دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا، ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''[1]

فرمایا: ﴿ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ﴾

''وہ (اللہ) ان سے محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے۔''[2]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ﴾

''پھر جب انھوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا۔''[3]

فرمایا: ﴿ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴾

''جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اور انھیں سجدے کے لیے بلایا جائے گا تو وہ (سجدہ) نہ کرسکیں گے۔''[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴾

''اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ زندہ ہے، سب کو سنبھالنے والا ہے۔''[5]

---

① المآئدة 5:119. ② المآئدة 5:54. ③ الزخرف 43:55. ④ القلم 68:42. ⑤ آل عمران 3:2.



فرمایا: ﴿وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ ''اور اللہ ان پر ناراض ہوا۔''①

ان کے علاوہ دیگر آیات میں بھی صفاتِ باری تعالیٰ کا ذکر ملتا ہے۔

اہل سنت والجماعت اس امر پر ایمان رکھتے ہیں کہ اہل ایمان آخرت میں اپنی آنکھوں سے رب تعالیٰ کو دیکھیں گے، اس کی زیارت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے بات کرے گا اور وہ اس سے بات کریں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝﴾

''اس دن (کئی) چہرے تروتازہ ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔''②

اہل ایمان، اللہ تعالیٰ کو اس طرح دیکھیں گے جیسے وہ چودھویں رات میں چاند کو دیکھتے ہیں جسے دیکھنے میں انھیں کوئی دقت پیش نہیں آتی جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ، لَا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ»

''تم اپنے ربّ کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اسے دیکھنے میں تمھیں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔''③

اہل سنت والجماعت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کے آخری تہائی میں آسمانِ دنیا پر حقیقی طور پر نزول کرتا (اترتا) ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

① الفتح 6:48. ② القيٰمة 22:75، 23. ③ صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث: 554، وصحيح مسلم، المساجد ومواضع الصلاة، حديث: 633.

«يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ، يَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ؟ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ؟ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ؟»

"ہمارا بزرگ و برتر رب ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے جب رات کا آخری تہائی باقی رہ جاتا ہے۔ فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے معافی چاہے تو میں اسے معاف کردوں؟"[1]

اہل سنت والجماعت اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کے مابین فیصلے کرنے کے لیے حقیقی طور پر آئے گا جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ اس نے فرمایا:

﴿كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝﴾

"ہرگز نہیں! جب زمین خوب کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی۔ اور آپ کا رب آ جائے گا اور فرشتے بھی صف در صف۔"[2]

اور فرمایا:

﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ﴾

---

[1] صحيح البخاري، التهجد، حديث: 1145، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 758.
[2] الفجر 89: 21، 22.



''کیا اب وہ اس انتظار میں ہیں کہ اللہ بادلوں کے سائے میں ان کے پاس آجائے اور فرشتے بھی اور (ان کے) معاملے کا فیصلہ کر ہی ڈالا جائے؟'' [1]

ان تمام باتوں کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کا منہاج یہ ہے کہ اس باب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو باتیں بتائی ہیں ان پر آدمی کامل طور پر ایمان لائے اور انھیں پوری طرح سے تسلیم کرے جیسا کہ امام زہری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اللہ کی طرف سے رسالت (پیغام) ہے۔ رسول پر یہ لازم ہے کہ وہ رسالت کی تبلیغ کرے۔ ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم اسے تسلیم کریں۔'' [2]

صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں ائمہ اسلاف کے اقوال: امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی جو صفات بیان کی ہیں، ان کی قراءت ہی ان کی تفسیر ہے۔ نہ تو ان کی کیفیت بیان کی جائے گی نہ مثال۔'' [3]

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''میں اللہ پر اور ان آیات پر ایمان لایا جو اللہ کی طرف سے آئیں، اللہ کی مراد کے مطابق۔ اور میں رسول اللہ ﷺ پر اور ان احادیث پر ایمان لایا جو رسول اللہ کی طرف سے آئیں، رسول اللہ کی مراد کے مطابق۔'' [4]

ولید بن مسلم رحمہ اللہ نے کہا: میں نے اوزاعی، سفیان بن عیینہ اور مالک بن انس رحمہم اللہ سے ان احادیث کے متعلق سوال کیا جو صفاتِ باری تعالیٰ اور رؤیتِ باری تعالیٰ کے بارے میں آئی ہیں تو انھوں نے جواباً فرمایا: ''ان کو اسی طرح آگے روایت کرو جیسی وہ

---

① البقرة 2:210. ② شرح السنة للإمام البغوي: 1/217، للمكتب الإسلامي، بيروت.
③ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي: 1/186، رقم: 431. ④ شرح لمعة الاعتقاد: 2/10.

آئی ہیں بنا کیفیت بیان کیے۔“ [1]

حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے فرمایا: ”بدعات سے بچ کے رہنا۔“ کسی نے عرض کیا: بدعات کیا ہیں؟ فرمایا: ”اہل بدعت وہ ہیں جو اللہ کے اسماء و صفات، اس کے کلام اور علم و قدرت کے بارے میں بات کرتے ہیں اور ان باتوں کے متعلق خاموشی اختیار نہیں کرتے جن کے متعلق صحابۂ کرام اور ان کے تابعین نے خاموشی اختیار کی تھی۔“ [2]

ایک آدمی نے امام صاحب سے اس آیت: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ ﴾ [3] کے متعلق سوال کیا کہ الرحمن کیسے مستوی ہوا۔ آپ نے جواب دیا: ”استوا کا مطلب واضح ہے۔ کیفیت عقل میں آ نہیں سکتی۔ ایمان اس پر واجب ہے۔ سوال اس کے متعلق بدعت ہے اور مجھے تو تم گمراہ ہی دکھائی دیتے ہو۔“ آپ نے حکم دیا کہ اس شخص کو مجلس سے نکال دیا جائے۔ [4]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ”کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ذات باری تعالیٰ کے متعلق کوئی بات کرے۔ وہ اس کی وہی صفات بیان کرے جو خود اللہ نے بتائی ہیں۔ اس میں اپنی رائے شامل نہ کرے۔ اللہ رب العالمین بہت بابرکت اور بہت بلند ہے۔“ [5]

امام صاحب سے جب صفتِ نزول کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

---

[1] شرح السنة للإمام البغوي: 171/1، للمكتب الإسلامي، بيروت. [2] شرح السنة للإمام البغوي: 217/1، للمكتب الإسلامي، بيروت. [3] طٰه 5:20. [4] شرح السنة للإمام البغوي: 171/1، للمكتب الإسلامي، بيروت. [5] شرح العقيدة الطحاوية، للمكتب الإسلامي: 313/1.



''نزول کرتا ہے، بغیر کیفیت کے۔''[1]

امام نعیم بن حماد خزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''جس نے اللہ کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دی، اس نے کفر کیا۔ جس نے صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار کیا، اس نے کفر کیا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صفاتِ باری بیان کی ہیں وہ تشبیہ نہیں ہیں۔''[2]

سلف صالحین میں سے ایک بزرگ نے فرمایا: ''اسلام کا قدم، تسلیم ہی کے پُل پر جمتا ہے۔''[3]

یہی وجہ ہے کہ جو شخص ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کے باب میں سلف صالحین کی راہ اختیار کرتا ہے وہ اسماء وصفات کے سلسلے میں منہاجِ قرآنی کو اپناتا ہے، چاہے وہ سلف کے دور میں گزرا ہو یا بعد کے ادوار میں۔ اور جو شخص اس باب میں سلف صالحین کی راہ نہیں چلتا، وہ منہاجِ قرآنی کو نہیں اپناتا، چاہے وہ سلف صالحین کے دور میں، صحابہ کرام اور تابعین کے ساتھ موجود رہا ہو۔

إیمان بالملائكة (فرشتوں پر ایمان لانا): ایمان بالملائکہ سے مراد اس امر پر یقینی ایمان رکھنا ہے کہ فرشتے موجود ہیں۔ اس بات میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ فرشتے موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ﴾

[1] شرح العقيدة الطحاوية، للمكتب الإسلامي، بيروت: 218/1. [2] مختصر العلو للعلي الغفار للألباني، ص: 65. [3] شرح السنة للإمام البغوي، للمكتب الإسلامي: 171/1.

"رسول (ﷺ) اس (ہدایت) پر ایمان لائے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کی گئی ہے اور سارے مومن بھی، سب اللہ پر، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔"①

جس نے فرشتوں کے وجود کا انکار کیا اس نے کفر کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴾

"اور جو شخص اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کا انکار کرے تو یقیناً وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔"②

اہل سنت والجماعت مجمل طور پر یہ ایمان رکھتے ہیں کہ فرشتے موجود ہیں۔ جہاں تک تفصیلی ایمان کا تعلق ہے تو جن فرشتوں کے متعلق صحیح دلیل ملتی ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جن فرشتوں کے نام لیے ہیں، ان کے وجود پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ان میں بالخصوص یہ فرشتے شامل ہیں:

حضرت جبریل علیہ السلام، پیغمبروں پر وحی لانا ان کے ذمے تھا۔

حضرت میکائیل علیہ السلام، یہ بارش برسانے پر مامور ہیں۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام، صور پھونکنا ان کی ذمے داری ہے۔

فرشتۂ موت، یہ فرشتہ روحیں قبض کرنے پر مامور ہے۔

مالک، داروغۂ جہنم۔ رضوان، داروغۂ جنت۔ منکر اور نکیر، قبر کے فرشتے۔

① البقرة 2:285. ② النسآء 4:136.



چنانچہ اہل سنت و الجماعت یہ ایمان رکھتے ہیں کہ فرشتے موجود ہیں۔ وہ اللہ کی عبادت گزار مخلوق ہیں جنھیں اس نے نور سے پیدا کیا۔ وہ محسوس ذاتیں ہیں۔ وہ نہ تو معنوی چیزیں ہیں نہ مخفی قوتیں۔ وہ اللہ کی ایک مخلوق ہے جو آسمانوں میں رہتی ہے۔

فرشتوں کی ہیئت بہت بڑی ہے۔ ان میں سے بعض کے دو پر ہوتے ہیں، بعض کے تین، بعض کے چار اور بعضوں کے چار سے بھی زیادہ۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے چھ سو پر ہیں۔

فرشتے اللہ کے لشکر ہیں۔ وہ اللہ کی اجازت سے، حالات کے مطابق، مختلف چیزوں کی ہیئت اور جسمانی شکلیں اختیار کرنے پر قادر ہیں۔ وہ اللہ کے مقرب و مکرم ہیں۔ انھیں مذکر اور مؤنث کے اوصاف سے موصوف نہیں کیا جاتا۔ اور انسانی صفات بھوک، پیاس، نکاح اور توالد و تناسل سے بھی انھیں موصوف نہیں کیا جاتا وہ ان صفات سے پاک ہیں۔

فرشتے نہ کھاتے ہیں نہ پیتے۔ تسبیح و تہلیل ان کا کھانا اور پینا ہے۔ وہ اکتاتے نہیں، نہ سست پڑتے ہیں نہ تھکتے ہیں۔ ہاں حسن و جمال، حیا و نظم کی صفات سے انھیں موصوف کیا جاتا ہے۔

فرشتے انسانوں سے اس طرح مختلف ہیں کہ اطاعت و فرماں برداری ان کی سرشت میں شامل ہے۔ نافرمانی سے وہ آشنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی عبادت اور اپنے احکام کے نفاذ کے لیے پیدا کیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ﴾

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝﴾

''اور انھوں نے کہا: رحمٰن نے اولاد بنائی ہے۔ وہ (اس سے) پاک ہے بلکہ وہ (فرشتے) تو (اللہ کے) معزز و مکرم بندے ہیں۔ وہ بات کرنے میں اس سے پہل نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور وہ صرف اس کی سفارش کریں گے جس کے لیے اللہ پسند کرے گا اور وہ اس کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔''[1]

فرشتے دن رات اللہ کی تسبیح کرتے، آسمان میں بیت المعمور کا طواف کرتے اور اللہ کے حضور خشوع و خضوع کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ اللہ کا خوف رکھتے ہیں۔

فرشتوں کی مختلف اقسام: فرشتوں کی بہت سی اقسام ہیں۔ بعض فرشتوں کی ذمہ داری عرش اٹھانے کی ہے۔ بعض وحی لانے پر مامور تھے۔ ایک فرشتہ پہاڑوں پر تعینات ہے۔ ان میں جنت اور جہنم کے داروغے بھی شامل ہیں۔ بعض فرشتوں کے فرائض یہ ہیں کہ وہ لوگوں کے اعمال درج کرتے ہیں۔ کچھ فرشتے اس امر کے ذمہ دار ہیں کہ وہ اہل ایمان کی روحیں قبض کریں۔ بعض فرشتے کافروں کی ارواح قبض کرنے پر مامور ہیں۔ چند فرشتے قبر میں سوال کرنے کی ذمہ داری پوری کرتے ہیں۔ کچھ فرشتے ایسے بھی ہیں جو اہل ایمان کے لیے رحمت و مغفرت کی دعائیں کرتے اور ان سے محبت

[1] الأنبیا 21:26-28.



کرتے ہیں۔ بعض فرشتے علم (علم کتاب وسنت) اور ذکر الٰہی کی محافل میں شریک ہوتے ہیں۔ وہ انھیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ ایک فرشتہ ہر انسان کا ساتھی وہمراہی ہے جو اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔ بعض فرشتے لوگوں کو اچھے کاموں کی ترغیب دلاتے ہیں۔ بعض نیکوکاروں کی نماز جنازہ میں شرکت کرتے ہیں۔ کچھ فرشتے اہل ایمان کے ساتھ کافروں کے خلاف قتال کرتے اور اہل ایمان کو میدان جنگ میں ثابت قدم رکھتے ہیں۔ بعض فرشتے صالحین کی حفاظت کرنے اور ان کی مشکلات دور کرنے پر مامور ہیں۔ کچھ اور فرشتے عذاب دینے کی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں۔

فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں بت، تصویر، کتا اور گھنٹی ہو۔ جس بات سے بنو آدم کو تکلیف ہوتی ہے اس سے فرشتے بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں۔

ارشادِ نبوی ہے:

«إِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ الصُّوَرُ، لَا تَدْخُلُهُ الْمَلَائِكَةُ»

''جس گھر میں تصویریں ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔''[1]

ایک اور روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:

«لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا تَصَاوِيرُ»

''فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا اور تصویریں ہوں۔''[2]

فرشتے بہت زیادہ ہیں۔ ان کی تعداد کا علم سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں۔ فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2105، وصحيح مسلم، اللباس والزينة، حديث: 2107.

[2] صحيح البخاري، اللباس، حديث: 5949، وصحيح مسلم، اللباس والزينة، حديث: 2106.

﴿ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ ۝ ﴾

''اور آپ کے رب کے لشکروں کو بس وہی جانتا ہے۔ اور وہ (جہنم) بشر کے لیے نصیحت ہی تو ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ہماری نظروں سے اوجھل رکھا ہے۔ ہم انھیں ان کی اصلی صورت میں نہیں دیکھ سکتے۔ ہاں، اپنے بعض بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ظاہر کیا تھا، جیسے ہمارے نبی کریم ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا تھا۔ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ ۝ ﴾

''اور بلاشبہ یقیناً اس (رسول) نے اس (جبریل) کو ایک بار اور بھی اترتے دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔''[2]

اور فرمایا: ﴿ وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ۝ ﴾

''اور (اے اہل مکہ!) تمھارا ساتھی (محمد ﷺ) دیوانہ نہیں۔ اور بلاشبہ یقیناً یہ (نبی) تو اس (جبریل) کو روشن کنارے پر دیکھ چکا ہے۔''[3]

إيمان بالكتب (کتابوں پر ایمان): اہل سنت والجماعت اس امر کا پختہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر کتابیں نازل فرمائیں جن میں اس کے احکام امر و نہی، وعدے وعید اور وہ باتیں درج ہیں جو اللہ تعالیٰ بندوں سے چاہتا ہے۔ ان الہامی کتابوں میں نور و ہدایت ہے۔ فرمایا:

﴿ آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ

---

[1] المدثر 74:31. [2] النجم 53:13، 14. [3] التکویر 81:22، 23.



وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ﴾

''رسول (ﷺ) اس (ہدایت) پر ایمان لائے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کی گئی ہے اور سارے مومن بھی، سب اللہ پر، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی کے لیے یہ کتابیں نازل فرمائیں۔ فرمایا:

﴿الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝﴾

''الٓرٰ، (اے نبی!) (یہ) عظیم الشان کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف ان کے رب کے اذن سے نکال لائیں، نہایت غالب، انتہائی لائق تعریف (پروردگار) کے راستے کی طرف۔''[2]

ان الہامی کتابوں میں قرآن، توریت، انجیل، زبور اور حضرات ابراہیم و موسیٰ کے صحیفے شامل ہیں۔ توریت، انجیل اور قرآن سب سے بڑی کتابیں ہیں۔ ان تینوں میں سب سے بڑی، گزشتہ کتابوں کے احکامات منسوخ کرنے والی، سب سے افضل کتاب قرآن ہے۔ توریت و انجیل و زبور اور قرآن کے سوا دیگر الہامی کتابیں جب اللہ تعالیٰ نے نازل کیں تو ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا۔ ان کے علماء اور ربانیوں (درویشوں) سے یہ کہا گیا کہ وہ اپنی کتابوں کی حفاظت کریں لیکن انھوں نے ان کتابوں کی کما حقہ

---

① البقرة 2:285. ② إبراهيم 14:1.

حفاظت نہیں کی، چنانچہ ان میں تبدیلی پیدا ہوئی اور تحریف وتغیر نے ان کے اندر راہ پائی۔

قرآن مجید: قرآن مجید کلامُ اللہ ہے۔ یہ اس کی کتابِ مبین اور حبلِ متین (مضبوط رسّی) ہے۔ جسے اس نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا۔ یہ کتاب امت کے لیے دستور ہے۔ یہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتی ہے۔ یہ کتاب لوگوں کو ہدایت سے آشنا کرتی اور صراطِ مستقیم پر چلاتی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے لوگوں کے حالات بیان کیے اور بتایا کہ زمین و آسمان کی تخلیق کیسے ہوئی۔ اس میں اس نے حلال وحرام کی تفصیلات بیان کیں، آداب و اخلاق کے اصول اور عبادات ومعاملات کے احکام بتائے، انبیاء وصلحاء کی سیرت بیان کی، اہل ایمان و اہل کفر کی جزا و سزا کی نوعیت بتائی اور جنت وجہنم کے اوصاف بیان کیے۔

قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے دل کی تمام بیماریوں کے لیے شفا بنایا اور اس میں ہر بات کھول کر بیان کر دی۔ یہ کتاب اہل ایمان کے لیے رحمت و ہدایت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾

''اور ہم نے آپ پر ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والی یہ کتاب نازل کی ہے جو مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے۔''[1]

---

[1] النحل 16:89.



امت پر واجب ہے کہ وہ قرآن مجید کی اتباع کرے اور زندگی کے تمام معاملات میں کتاب وسنت کے فیصلوں کو تسلیم کرے۔ سنت کی اتباع اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو جن وانس کی طرف رسول بنا کر بھیجا تا کہ آپ ان کے لیے کتاب اللہ کی توضیح وتشریح کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۝﴾

''اور ہم نے آپ پر یہ ذکر (قرآن) نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا اور تا کہ وہ (خود بھی) غور وفکر کریں۔''[1]

اہل سنت والجماعت یہ ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، اس کے حروف بھی اور معانی بھی۔ یہ اللہ کی ذاتِ عالی کی طرف سے نکلا اور اسی کی طرف جائے گا۔ یہ کلام اس کا نازل کردہ ہے۔ یہ مخلوق نہیں۔ اللہ نے حقیقتاً یہ کلام کیا اور جبریل علیہ السلام پر وحی کیا۔ جبریل علیہ السلام اسے لے کر حضرت محمد ﷺ کے پاس آئے۔ اللہ تعالیٰ جو بڑی حکمت والا اور بہت باخبر ہے، اس نے یہ قرآن واضح عربی میں نازل کیا۔ یہ ہم تک اس تواتر سے پہنچا ہے کہ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ (تواتر یعنی لوگوں کی بہت بڑی تعداد سے لوگوں کی بہت بڑی تعداد کی روایت، سند کے ہر درجے میں)۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ۝ عَلٰى قَلْبِكَ

---

[1] النحل 16 :44.

لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝﴾

''اور بلاشبہ یہ (قرآن) یقیناً رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ روح الامین (جبریل) اسے لے کر نازل ہوا۔ آپ کے دل پر (القا کیا) تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ فصیح عربی زبان میں۔''[1]

قرآن مجید لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ یہ سینوں میں محفوظ ہے۔ بے شمار زبانیں اس کی تلاوت کرتی ہیں۔ یہ صحیفوں میں لکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾

''بلکہ یہ (قرآن) تو واضح آیات ہیں، ان لوگوں کے سینوں میں جنھیں علم دیا گیا۔''[2]

اور فرمایا:

﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝﴾

''بلاشبہ یہ قرآن نہایت معزز ہے۔ ایک محفوظ کتاب میں۔ اسے تو نہایت پاکیزہ (فرشتے) ہی ہاتھ لگاتے ہیں۔ رب العالمین کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے۔''[3]

قرآن مجید، حضرت محمد ﷺ کا بہت بڑا دائمی معجزہ ہے۔ یہ آخری آسمانی کتاب ہے۔ یہ نہ تو منسوخ ہوگی اور نہ تبدیل۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ لیا ہے کہ وہ ہر قسم کی

[1] الشعراء 26:192-195۔ [2] العنکبوت 29:49۔ [3] الواقعة 56:77-80۔



تحریف وتبدیلی اور ہر طرح کی کمی بیشی سے قرآن کریم کا تحفظ کرے گا۔ فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾

''بیشک ہم ہی نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا اور بیشک ہم ہی اس کے ضرور محافظ ہیں۔''[1]

اہل سنت والجماعت اس شخص کو کافر قرار دیتے ہیں جو قرآن مجید کے کسی حرف کا انکار کرے یا اس میں کوئی کمی بیشی کرے۔ یوں ہم یہ قطعی ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی ہر آیت اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے اور وہ تواتر قطعی کی راہ سے ہم تک پہنچی ہے۔ قرآن مجید یکبارگی نازل نہیں ہوا تھا۔ یہ حالات وواقعات کی رفتار اور سوالوں کے جوابات کے حساب سے تیئیس (23) برس میں قسط وار نازل ہوا۔

قرآن مجید 114 سورتوں پر مشتمل ہے جن میں سے 86 سورتیں مکہ میں جبکہ 28 مدینہ میں نازل ہوئیں۔ جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں وہ مکی سورتیں اور جو مدینہ میں نازل ہوئیں وہ مدنی سورتیں کہلاتی ہیں۔ 29 سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے۔

دور نبوی میں نبی ﷺ کے زیر نگرانی قرآن مجید لکھا گیا تھا۔ چند منتخب صحابہ کاتبین وحی تھے جو آپ کے حکم سے قرآن کی نازل ہونے والی تمام آیات لکھ لیا کرتے تھے۔ خلیفۂ اوّل کے دور میں تمام قرآنی آیات کو کتابی صورت میں اکٹھا کیا گیا۔ عہد عثمانی میں قرآن مجید کو ایک حرف (رسم) پر جمع کیا گیا۔

[1] الحجر 9:15.

اہل سنت والجماعت قرآن مجید کی تعلیم، تلاوت وتفسیر، اس کے حفظ اور اس پر عمل کرنے کا بہت اہتمام کرتے اور ان باتوں پر خاص توجہ دیتے ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا۟ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ۝ ﴾

”(یہ قرآن) ایک عظیم کتاب ہے، ہم نے اسے آپ کی طرف نازل کیا، (یہ) بڑی بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور عقل منداس سے نصیحت حاصل کریں۔“ ①

وہ قرآن مجید کی تلاوت کو عبادت کا درجہ دیتے اور اسے اللہ کا قرب پانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اس لیے کہ اس کے ہر حرف کی تلاوت نیکی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ، فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُولُ الٓمٓ حَرْفٌ، وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ، وَلَامٌ حَرْفٌ، وَمِيمٌ حَرْفٌ»

”جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اس کے لیے اس کے بدلے ایک نیکی ہے۔ اور نیکی (کا ثواب) دس گنا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔“ ②

اہل سنت والجماعت محض اپنی رائے سے قرآن مجید کی تفسیر کرنا جائز نہیں سمجھتے کیونکہ اس طرح محض اپنی رائے سے تفسیر کرنا اللہ کے بارے میں کوئی بات علم کے بغیر

① صٓ 38:29۔ ② جامع الترمذي، فضائل القرآن، حديث: 2910۔



کہنے کے مترادف ہے جو درست نہیں۔ قرآن مجید کے مطابق یہ شیطانی عمل ہے۔ فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ ﴾

"اے لوگو! تم ان چیزوں میں سے کھاؤ جو زمین میں حلال اور پاکیزہ ہیں اور شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو، بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ بس وہ تو تمھیں صرف برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اللہ کے بارے میں وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے۔"[1]

قرآن مجید کی تفسیر کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اوّل قرآنی آیات کی تفسیر قرآنی آیات ہی سے کی جائے، پھر حدیث سے قرآن کی تفسیر کیجیے، بعدازاں صحابۂ کرام کے اقوال سے تفسیر کرنی چاہیے، پھر اس سلسلے میں تابعین کے اقوال بروئے کار لائے جائیں، تابعین سے بھی تفسیر نہ ملے تو عربی زبان سے تفسیر کی جائے جس میں قرآن نازل ہوا۔

ایمان بالرُّسُل (رسولوں پر ایمان لانا): اہل سنت والجماعت اس امر پر یقینی ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی طرف رسول بھیجے تھے جو انھیں نیک اعمال کے بدلے میں دنیا و آخرت کی بھلائی اور جنت کی بشارت دیتے اور برے اعمال کے نتیجے میں جہنم سے ڈراتے تھے۔ وہ لوگوں کو گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر راہ

---

[1] البقرة 2:168، 169.

صداقت کی روشنی میں لانے کے لیے انھیں دین حق کی دعوت دیتے تھے۔ یوں رسولوں کی دعوت کا مقصد اقوام وملل کو شرک اور بت پرستی سے نجات دلانا اور انسانی معاشروں کو فتنہ وفساد اور انتشار وافتراق سے بچانا تھا۔

اہل سنت والجماعت یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ رسولوں نے رسالت (پیغامِ الٰہی) کی تبلیغ پوری طرح سے کردی تھی اور انھیں جو امانت سونپی گئی وہ انھوں نے پوری خیرخواہی اور تندہی سے امتوں کے حوالے کردی تھی۔

انبیاء ورسل چند بہت حیرت انگیز اور لاجواب معجزے لے کر آئے تھے جو ان کی سچائی کی گواہی دیتے تھے۔[1] جو شخص کسی ایک رسول کا انکار کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور تمام رسولوں کا انکار کرتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا

---

[1] معجزہ وہ فوق العادت امر ہے جو کائناتی معمولات کو اس طرح بدل دے کہ آدمی ویسا کرنے پر قادر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ، نبی کے ہاتھوں اس کی دعوت کے مطابق معجزہ ظاہر کرتا ہے جو نبی کی سچائی کا اظہار واعلان کرتا ہے۔ معجزہ واقع ہونا عین ممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس نے اسباب ومسببات کی یہ دنیا بسائی اور یہ نظام زندگی ترتیب دیا ہے وہ اس نظام کے بدلنے پر بھی پوری طرح سے قادر ہے۔ جب وہ معجزہ ظاہر کرتا ہے تو چیزیں ان اسباب کے تابع نہیں رہتیں جن کے تابع وہ پہلے تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت کے حوالے سے یہ کوئی انہونی یا عجیب بات نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے، پلک جھپکنے کی تیزی سے بھی کہیں زیادہ تیزی سے کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے: ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝﴾ ''جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس کا حکم صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اس سے کہتا ہے: ''ہوجا'' تو وہ ہو جاتی ہے۔'' (یٰسٓ 82:36)



بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾

''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور وہ کہتے ہیں: ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راہ اختیار کریں۔ وہی لوگ حقیقی کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور انھوں نے ان میں سے کسی ایک کے درمیان بھی تفریق نہیں کی، وہی لوگ ہیں جنھیں اللہ جلد ان کا اجر دے گا۔ اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' ①

رسولوں کی بعثت کے سلسلے میں جو حکمت کارفرما تھی وہ اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرما دی ہے:

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝﴾

''خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بنا کر بھیجے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کو الزام دینے کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ اور اللہ بڑا زبردست، خوب حکمت والا ہے۔'' ②

---

① النسآء 4:150-152. ② النسآء 4:165.



اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء و رسول مبعوث کیے جن میں سے بعض کا ذکر اس نے کتاب میں کیا۔ بعض کا ذکر ہمارے رسول اکرم ﷺ نے کیا جبکہ بہت سے دیگر انبیاء و رُسل کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں بتایا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول بھیجے، ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کا حال ہم نے آپ سے بیان کر دیا اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔'' [1]

اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔'' [2]

قرآن مجید میں پچیس انبیاء و رُسل کے نام آئے ہیں جن میں انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت ذوالکفل علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت داود علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت الیسع علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام،

---

[1] المؤمن 40:78. [2] النحل 16:36.



حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور خاتم الانبیاء و الرسل حضرت محمد ﷺ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء و رسل کو بعض دیگر کے مقابلے میں فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اس بات پر امت کا اتفاق ہے کہ رسول، انبیاء سے افضل ہیں جبکہ رسولوں میں بعض رسول دوسرے رسولوں سے افضل ہیں۔ تمام انبیاء و رسل میں وہ رسول سب سے افضل ہیں جنھیں اولو العزم کہا گیا ہے۔ یہ پانچ رسول ہیں: حضرت محمد ﷺ، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ اولو العزم میں سب سے افضل خاتم الانبیاء و المرسلین حضرت محمد ﷺ ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ﴾

''اور لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔''[1]

اہل سنت والجماعت، حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاء و مرسلین پر ایمان رکھتے ہیں، جن رسولوں کے نام کتاب وسنت میں آئے ہیں ان پر بھی اور جن کے نام کتاب وسنت میں نہیں آئے ان پر بھی۔

رسولوں پر ایمان رکھنا ایمانِ مجمل ہے جبکہ حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھنا ایمانِ مفصل ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی آپ کے فرمودات کو تفصیلی طور پر سمجھے اور ان پر عمل کرے۔

محمد رسول اللہ ﷺ: آپ ہیں حضرت ابوالقاسم محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قُصَی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لُوی بن غالب بن فہر بن مالک بن

[1] الأحزاب 40:33.



نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مُضر بن نزار بن مَعَدّ بن عدنان۔

عدنان، اللہ کے نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام بن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء و مرسلین ہیں۔ آپ ﷺ کو تا قیامت تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا گیا۔ آپ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سب سے بہتر، سب سے بلند تر، سب سے معزز، سب سے مکرم اور سب سے مقرب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہانوں پر رحمت کی اور آپ کو رسول بنا کر بھیج دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

"اور ہم نے آپ کو جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"[1]

اس نے آپ پر اپنی کتاب عزیز نازل کی، آپ کو اپنے دین کی امانت سونپی، تبلیغ رسالت کی ذمے داری آپ پر ڈالی اور اس سلسلے میں آپ کو ہر قسم کی لغزش سے محفوظ کر دیا۔ فرمایا: ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ ﴾

"اور وہ (اپنی) خواہش سے نہیں بولتا۔ وہ وحی ہی تو ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔"[2]

آپ کی رسالت و نبوت پر ایمان لائے بغیر ایمان پورا نہیں ہوتا۔ جس نے آپ ﷺ کی فرماں برداری کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے آپ کی نافرمانی کی وہ جہنم میں جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ

① الأنبیآء 107:21، ② النجم 53:3، 4۔



لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝﴾

''تو (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہ آنے پائے اور وہ اسے دل و جان سے مان لیں۔''[1]

ہر نبی کو خاص طور پر اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا جبکہ آپ کو دنیا بھر کے تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾

''اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے۔''[2]

اہل سنت والجماعت اس امر پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نمایاں معجزوں اور واضح نشانیوں کے ذریعے سے نبی مکرم ﷺ کی تائید فرمائی۔

ان معجزات میں سب سے بڑا معجزہ خود قرآن مجید ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے رُوئے زمین کی سب سے فصیح و بلیغ اور قادر الکلام قوم کو چیلنج دیا۔ قرآن مجید کے بعد رسول اکرم ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ، اسراء و معراج ہے۔

اہل سنت والجماعت یہ یقین رکھتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو حالت بیداری میں، جسم و روح سمیت آسمان پر لے جایا گیا۔ یہ واقعہ اسراء و معراج کی رات پیش آیا

---

[1] النسآء 65:4. [2] سبا 28:34.

جب آپ کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے جایا گیا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۝﴾

”پاک ہے وہ (اللہ) جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے اردگرد کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہی خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔“[1]

مسجد اقصیٰ سے آپ کو آسمان پر لے جایا گیا۔ آپ ساتویں آسمان سے بھی اوپر، جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا، وہاں پہنچے۔ جہاں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب جنت ماویٰ ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے جس طرح چاہا، آپ کی تکریم کی، آپ پر وحی کی، آپ سے کلام کیا اور رات دن میں پانچ نمازوں کو شریعتِ محمدیہ کا حصہ بنایا۔ نبی کریم ﷺ جنت میں داخل ہوئے، اسے دیکھا، بعدازاں آپ نے جہنم کو دیکھا، پھر فرشتوں کو اور جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا، نبی اکرم ﷺ کے دل نے جو دیکھا جھوٹ نہ دیکھا بلکہ آپ نے جو کچھ دیکھا، اپنی دونوں آنکھوں سے حقیقت میں دیکھا۔ اسرا و معراج سے آپ کو اعزاز بخشا گیا اور اس بات کا اظہار کیا گیا کہ آپ کا مقام و مرتبہ دیگر تمام انبیاء و مرسلین سے بلند ہے۔

آخر میں رسول معظم ﷺ بیت المقدس میں اترے، انبیاء کی امامت کرائی اور پھر

---

[1] بني إسرائيل 1:17.



سے پہلے مکہ لوٹ آئے۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ ﴾

''کیا پھر تم اس چیز پر اس (نبی) سے جھگڑتے ہو جو وہ دیکھتا ہے۔ اور بلاشبہ یقیناً اس (رسول) نے اس (جبریل) کو ایک بار اور بھی اترتے دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اس کے نزدیک ہی جنت الماویٰ ہے۔ اس وقت بیری پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔ نگاہ نہ تو بہکی اور نہ حد سے بڑھی۔ بلاشبہ یقیناً اس (رسول) نے اپنے رب کی بعض بہت بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔'' [2]

رسالت مآب حضرت محمد ﷺ کے دیگر معجزے

شق قمر: یعنی چاند کا آپ کے اشارے سے دو ٹکڑے ہونا۔ یہ آپ کی نبوت کی بہت بڑی نشانی تھی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی۔

یہ واقعہ مکہ میں اس وقت پیش آیا جب مشرکین نے آپ ﷺ سے کوئی نشانی دکھانے کا مطالبہ کیا تھا۔

کھانے میں اضافہ ہونا: یہ معجزہ آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں ایک سے زائد مرتبہ ظاہر ہوا۔

---

[1] صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں واقعہ معراج کی تفصیلات ملتی ہیں۔ [2] النجم 53:12-18

پانی میں اضافہ ہونا اور آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی پھوٹنا۔ آپ کے حضور کھانے کا تسبیح کرنا: یہ معجزات بھی بہت دفعہ ظاہر ہوئے۔

بیماروں کی شفا یابی: آپ ﷺ کے ہاتھوں آپ کے بعض اصحاب کو جو بیمار تھے، بغیر دوا کے شفا ملی۔

حیوانات کا آپ کے لیے ادب واحترام۔ درختوں کا آپ کے لیے اظہارِ خشوع و خضوع۔ پتھروں کا آپ ﷺ کو سلام کہنا۔

آپ کے بعض دشمنوں سے فوری انتقام لیا جانا۔

آپ کا بعض امورِ غیبی کے متعلق بتانا۔ جو واقعات بہت دور دراز کے فاصلوں پر پیش آرہے تھے ان کے متعلق ان کے واقع ہوتے ہی خبر دینا۔

ان اُمورِ غیبی کے بارے میں بتانا جو ابھی پیش نہیں آئے تھے۔ بعد ازاں وہ ٹھیک اسی طرح پیش آئے جس طرح آپ نے بتایا تھا۔

آپ کا مستجاب الدعوات ہونا۔

اللہ تعالیٰ کا آپ کو تحفظ دینا اور دشمنوں کو آپ تک پہنچنے سے روکنا۔

اس حوالے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوجہل نے ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں سے کہا: کیا محمد تمھاری موجودگی میں اپنا چہرہ زمین پر رکھتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں! ابوجہل نے کہا: لات وعزیٰ کی قسم، اگر میں نے اسے ایسا کرتے دیکھا تو اس کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا یا اس کا چہرہ مٹی میں آلودہ کردوں گا، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف آیا۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے



آپ کی گردن پر پاؤں رکھنا چاہا لیکن اس کے ساتھیوں نے دیکھا وہ الٹے پاؤں پیچھے بھاگ رہا ہے اور ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کر رہا ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ تجھے کیا ہوا؟ وہ بولا میرے اور اس کے درمیان آگ کی خندق، وحشت اور پر تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ قریب آتا تو فرشتے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے۔''[1]

إیمان بالیوم الآخر (آخرت کے دن پر ایمان لانا): اہل سنت والجماعت، یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں جس کا مطلب ہے قیامت کے دن کا پختہ اعتقاد رکھنا اور مرنے کے بعد جو کچھ پیش آئے گا، اس کے متعلق کتاب وسنت کی تصریحات پر پوری طرح سے ایمان لانا۔ قرآن مجید میں کئی جگہ یوم آخرت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بڑی تاکید سے کیا اور إیمان بالیومِ الآخرِ کو إیمان باللّٰہ کے ساتھ بیان فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝﴾

''اور وہ لوگ جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔''[2]

اہل سنت والجماعت اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ قیامت آنے کا وقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ ''بیشک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔''[3]

[1] صحیح مسلم، صفات المنافقین، حدیث: 2797. [2] البقرۃ 4:2. [3] لقمان 34:31

تاہم کتاب وسنت میں قربِ قیامت کی کئی نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ اہل سنت و الجماعت، قیامت کی تمام چھوٹی بڑی نشانیوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ یہ آخرت کے دن پر ایمان لانے میں شامل ہے۔

قیامت کی چھوٹی نشانیاں (علاماتِ صغریٰ): قیامت کی چھوٹی نشانیاں قیامت سے بہت عرصہ پہلے سامنے آئیں گی اور یہ بظاہر معمول کی باتیں معلوم ہوں گی۔ قیامت کی بعض علاماتِ صغریٰ، علاماتِ کبریٰ کے ساتھ ظاہر ہوں گی۔ علاماتِ صغریٰ بہت سی ہیں۔ ان میں سے جو علامات صحیح روایات میں آئی ہیں، وہ یہ ہیں:

آپ ﷺ کی وفات	فتح بیت المقدس
فتنوں کا ظہور	یہود ونصاریٰ کی پیروی
جھوٹے مدعیانِ نبوت کا ظہور	جھوٹی حدیثوں کا وضع کیا جانا
ترکِ سنت نبوی	جھوٹ کی کثرت
جہالت اور فساد کا دور دورہ	علم کا اٹھ جانا
نیک لوگوں کا اٹھ جانا	اسلام اور اہل اسلام کا اجنبی ہو جانا
کثرتِ قتل وغارت	ناگہانی اموات کی کثرت
مردوں کی تعداد کا کم ہو جانا	عورتوں کی کثرت
سرِراہ زنا کا عام ہونا	آلاتِ موسیقی کا عام ہونا
شراب عام ہونا	امانت میں خیانت
نااہل افراد کو معاملات کی سپردگی	گھٹیا، کمینے، اوباش افراد کی سربراہی



برے لوگوں کا نیک لوگوں کے درپے ہونا	باندی کا اپنی مالکن کو جنم دینا
امت میں شرک وبت پرستی کا ظاہر ہونا	صرف جان پہچان کے لوگوں کو سلام کرنا
بازاروں کا قریب ہونا	کثرت تجارت
حرص وطمع کا عام ہونا	جھوٹی گواہی کا عام ہونا
سچی گواہی چھپانا	فحاشی عام ہونا
پڑوسی سے برا سلوک	قطع رحمی
لوگوں کے مابین اجنبیت پیدا ہونا	فتنوں کا ظہور
بوڑھوں کا جوانوں کی مشابہت کرنا	اہل ایمان شخص کو سچے خواب نظر آنا
مدینہ منورہ میں نیک لوگوں کا باقی رہ جانا	فتح قسطنطنیہ کی طرح فتح روما

یہودیوں سے مسلمانوں کی جنگ حتیٰ کہ پتھر اور درخت کہیں گے: "يَا مُسْلِمُ! هٰذَا يَهُودِيٌّ، فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ" ''اے مسلمان! یہ یہودی ہے۔ آؤ، اسے قتل کرو۔''[1]

شدید آزمائشوں کے باعث موت کی آرزو کرنا اور مرنے والوں کو خوش نصیب سمجھنا۔

ظالموں کی مدد کرنے والے پولیس والوں کی کثرت جو لوگوں کو کوڑوں سے پیٹیں گے۔

مساجد کی تزئین وآرائش کے سلسلے میں لوگوں کا ایک دوسرے کے مقابلے میں فخر کرنا۔

وہ سنتیں جن کی ترغیب اسلام نے دی ہے، ان پر عمل پیرا ہونے میں کوتاہی برتنا۔

اصاغر (علمی امور ومعاملات میں نوخیز، ناپختہ کار لوگوں) سے علم حاصل کرنا۔

عورتوں کا اس انداز سے لباس پہننا کہ وہ لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں۔

---

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2926، وصحيح مسلم، الفتن، حديث: 2921.

قحطان میں سے ایک شخص کا ظاہر ہونا، جس کے لوگ تابع ہوں گے۔

حضرت محمد ﷺ کی بعثت اور آپ پر سلسلہ نبوت ورسالت کا خاتمہ۔

زمین میں دھنس جانے، صورتیں بگڑ جانے اور سنگ باری کا عذاب۔

جزیرہ نمائے عرب کا سرسبز وشاداب اور نہروں سے بھرپور ہو جانا۔

دولت مند ہونے اور مال ومتاع کی کثرت کے باوجود ناشکری۔

ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اونچی اونچی عمارتیں بنانا۔

چاند کا پھول جانا، یعنی چاند معمول سے بڑا دکھائی دینا۔

وقت کا تیزی سے گزرنا اور وقت میں برکت کی کمی۔

سلسلہ اسلام کی کڑیوں کا ایک ایک کرکے ٹوٹ جانا۔

رومیوں کی کثرت اور مسلمانوں سے ان کی جنگ۔

خبریں پہنچانے کے سلسلے میں تحقیق سے کام نہ لینا۔

زلزلوں اور امراض کے باعث اموات کی کثرت۔

امت محمدیہ کے خلاف دوسری امتوں کا اکٹھا ہونا۔

درندوں اور پتھروں کا انسانوں سے بات کرنا۔

دریائے فرات سے سونے کا پہاڑ نمودار ہونا۔

مردوں کا ریشم کے لباس کو جائز سمجھ کر پہننا۔

لڑائی جھگڑا، کینہ پروری اور باہمی عداوت۔

یہ قیامت کی وہ علامات صغریٰ ہیں جو صحیح روایات میں آئی ہیں۔



قیامت کی بڑی نشانیاں (علاماتِ کبریٰ): قیامت کی بڑی نشانیاں قربِ قیامت کا پتہ دیں گی۔ یہ نشانیاں ظاہر ہونے کے بعد جلد ہی قیامت آ جائے گی۔ روایات میں قیامت کی جن بڑی نشانیوں کا ذکر ہے، اہل سنت والجماعت ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے:

ظہورِ مہدی: مہدی کا نام محمد بن عبداللہ ہے۔ ان کا خاندانی تعلق اہل بیت سے ہے۔ وہ مشرق کی طرف سے نکلیں گے اور سات برس حکومت کریں گے۔ زمین جو ظلم و ستم سے بھری ہوگی، وہ اسے عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ ان کے دور میں امت اس طرح سے آسودہ حال ہوگی کہ اس جیسی آسودہ حالی اس پر کبھی نہ آئی ہوگی۔ زمین سبزہ اُگلے گی۔ آسمان پانی برسائے گا۔ مہدی بے حساب لوگوں کو مال ومتاع سے نوازیں گے۔

دجال کا ظہور[1] اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول: حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے مشرقی جانب سفید مینار کے قریب اتریں گے۔ آپ شریعتِ محمدیہ کے مطابق احکام جاری کریں گے اور اسی پر عمل پیرا ہوں گے۔ آپ دجال کو قتل کریں گے اور دنیا میں اسلام کی حکومت قائم کر دیں گے۔ آپ عین اس وقت اتریں گے جب اہل حق کا لشکر دجال سے لڑائی کے لیے بالکل تیار ہوگا۔ وہ نماز کا وقت ہوگا۔ آپ اتر کر امیر لشکر کی

---

(1) فتنہ ظہور دجال بڑے فتنوں میں سے ایک ہے کیونکہ دجال کفر، گمراہی اور فتنوں کا منبع ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین نے اپنی امتوں کو فتنہ دجال سے خبردار کیا۔ نبی کریم ﷺ ہر نماز کے آخر میں فتنہ دجال سے اللہ کی پناہ طلب کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے بھی اپنی امت کو اس فتنہ سے خبردار کیا۔

اقتدا میں نماز ادا کریں گے۔

یا جوج ماجوج کا نکلنا۔ زمین میں دھنسنے کے تین واقعات کا پیش آنا، ایک واقعہ مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک واقعہ جزیرہ نمائے عرب میں۔ دھواں نمودار ہونا۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔ دابہ ارض جو لوگوں سے باتیں کرے گا۔ آگ کا نمودار ہونا جو لوگوں کو محشر میں اکٹھا کرے گی۔

اہل سنت والجماعت ان اُمورِ غیبی پر ایمان رکھتے ہیں جن کے متعلق کتاب وسنت میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ آدمی کو مرنے کے بعد پیش آئیں گے۔

وہ اُمورِ غیبی یہ ہیں: موت کی سختیاں۔ موت کے فرشتوں کا حاضر ہونا۔ مومن کا اس بات پر خوش ہونا کہ وہ رب تعالیٰ سے ملاقات کرے گا۔ موت کے وقت شیطان کا حاضر ہونا۔ موت کے وقت کافر کے ایمان کی عدم قبولیت۔ عالم برزخ۔ قبر میں ملنے والی نعمتیں۔ عذاب قبر۔ فتنۂ قبر۔ دونوں فرشتوں کے سوالات۔

شہید کا رب تعالیٰ کے ہاں زندہ ہونا اور رزق پانا۔ خوش بخت روحوں کا انعام و اکرام اور بدبخت روحوں کا عذاب۔

اہل سنت والجماعت روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں جس دن اللہ تعالیٰ مرنے والوں کو زندہ کرے گا، لوگوں کو قبروں سے اٹھا کر ان سے حساب لے گا۔

اہل سنت والجماعت صور پھونکے جانے پر ایمان رکھتے ہیں۔ صور تین مرتبہ پھونکا جائے گا:

صور کی پہلی پھونک سے ہر چیز پر لرزہ طاری ہو جائے گا اور وہ سخت گھبراہٹ کی



شکار ہوگی۔ اسے نفخۂ فزع کہتے ہیں۔

دوسری پھونک جسے نفخۂ صعق کہتے ہیں، اس سے ساری دنیا میں تغیر برپا ہوگا۔ نظام کائنات درہم برہم ہوجائے گا۔ چیزیں فنا ہو جائیں گی اور جن کی ہلاکت کا اللہ نے فیصلہ کر رکھا ہے، وہ ہلاک ہو جائیں گے۔

تیسری پھونک نفخۂ بعث و نشور ہے۔ اس کے نتیجے میں سب انسان زندہ ہوکر قبروں سے اٹھیں گے اور رب العالمین کے حضور پیش ہو جائیں گے۔

اہل سنت والجماعت بعث ونشور پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے گا اور وہ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بغیر ختنہ اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔ سورج ان کے قریب آ جائے گا۔ لوگوں کو اس قدر زبردست پسینا آئے گا کہ بعض لوگ شرابور ہو کر منہ تک پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ سب سے پہلے ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کی قبر شق ہوگی اور آپ قبر سے باہر تشریف لائیں گے۔

اس عظیم دن لوگ ٹڈی دل کی طرح قبروں سے نکل نکل کر تیزی سے محشر کی طرف روانہ ہوں گے۔ ان کی ہر حرکت بہت خاموش ہوگی۔ ہر طرف سناٹا چھا جائے گا۔

میدانِ محشر میں اعمالنامے کھولے جائیں گے۔ ہر کئی چھپی بات سامنے آ جائے گی۔ جو باتیں سینوں میں چھپی رہتی تھیں، ان کا بھی بھانڈا پھوٹے گا۔ اس روز اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس طرح ہم کلام ہوگا کہ اس کے اور بندوں کے مابین کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ لوگوں کو ان کے اور ان کے والدوں کے نام سے بلایا جائے گا۔

اہل سنت والجماعت اس ترازو (میزان) پر بھی ایمان رکھتے ہیں جس پر لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے۔ اس ترازو کے دو پلڑے ہوں گے۔

وہ اعمال نامے کھلنے پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ کوئی اپنا اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں وصول کرے گا، کوئی بائیں ہاتھ میں اور کوئی پیٹھ پیچھے۔

پل صراط جہنم کے اوپر نصب ہوگا۔ اس پل سے نیک عمل کرنے والے لوگ گزر جائیں گے اور بدکار پھسل پڑیں گے۔[1]

جنت اور جہنم دونوں مخلوق ہیں۔ یہ دونوں اس وقت موجود ہیں۔ کبھی فنا نہیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو دیگر مخلوقات سے پہلے پیدا کیا۔ جنت اہل ایمان، اہل توحید اور اہل تقویٰ کا گھر ہے جبکہ جہنم کافروں، مشرکوں، منافقوں، بے دین لوگوں، مجرموں اور بت پرستوں کا ٹھکانا ہے۔

اہل سنت والجماعت یہ ایمان رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن سب امتوں سے پہلے

---

[1] یہ وہ پل ہے جس سے گزر کر لوگ جنت میں جائیں گے۔ لوگ اس پل سے اپنے اعمال کی مطابقت سے گزریں گے، بعض تو آن کی آن میں پلک جھپکتے ہی سے گزر جائیں گے، بعض بجلی کی طرح گزریں گے، بعض تیز ہوا کی طرح، بعض سرپٹ دوڑتے گھوڑے کی طرح، بعض شترسواروں کی طرح گزر جائیں گے، کچھ دوڑتے ہوئے گزریں گے، کچھ چلتے ہوئے اور کچھ لوگ رینگتے ہوئے گزریں گے۔ بعضوں کو اچک کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ الغرض پل صراط سے ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق گزرے گا یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جائے گا۔ پل صراط سے گزرنے کے بعد لوگ جنت وجہنم کے درمیان نصب ایک چھوٹے پل پر ٹھہریں گے۔ یہاں انھیں آپس میں بدلے اور قصاص دلوائے جائیں گے۔ یوں جب وہ ہر طرح سے صاف شفاف ہو جائیں گے تو انھیں جنت میں جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔



امت محمدیہ کا حساب کتاب ہوگا۔ یہی امت سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگی۔ اہل جنت کی آدھی تعداد امت محمدیہ پر مشتمل ہوگی۔ اس امت کے ستر ہزار افراد بغیر حساب کتاب جنت میں جائیں گے۔

اہل سنت والجماعت اس امر پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ گناہ گار اہل توحید ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے۔ صرف وہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے جنھوں نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے تھے۔ وہ جہنم میں سے کبھی نہیں نکلیں گے (اللہ کی پناہ!)

اہل سنت والجماعت یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ میدانِ محشر میں ہمارے نبی ﷺ کا حوض ہوگا جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوگا۔ اس کے آبخورے اتنے ہوں گے جتنے آسمان کے تارے۔ اس کی لمبائی ایک مہینے کی مسافت کے برابر ہوگی اور چوڑائی بھی ایک مہینے کی مسافت کے برابر۔

جو ایک دفعہ اس حوض کا پانی پی لے گا اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ جو شخص دین میں کوئی بدعت ایجاد کرے گا اس پر حوضِ نبوی کا پانی حرام ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«حَوْضِي مَسِيرَةُ شَهْرٍ، مَاؤُهُ أَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ، وَرِيحُهُ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ، وَكِيزَانُهُ كَنُجُومِ السَّمَاءِ، مَنْ شَرِبَ مِنْهَا فَلَا يَظْمَأُ أَبَدًا»

''میرا حوض ایک مہینے کی مسافت کے برابر ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی مہک کستوری سے زیادہ اچھی ہے۔ اس کے کوزے اتنی تعداد

میں ہوں گے، جیسے آسمان کے تارے۔ جو اس حوض میں سے پانی پیے گا اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔“ [1]

ایک اور موقع پر فرمایا:

”إِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ، مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ، وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا، لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونِي، ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ“

”میں حوض پر تمھارا پیش رو ہوں۔ جو میرے پاس سے گزرے گا وہ پانی پیے گا اور جو پانی پی لے گا اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ کچھ لوگ میرے پاس حوض پر آئیں گے، انھیں میں پہچانوں گا اور وہ مجھے پہچانیں گے لیکن میرے اور ان کے مابین رکاوٹ حائل کر دی جائے گی۔“ [2]

ایک اور روایت میں ہے:

فَأَقُولُ: إِنَّهُمْ مِنِّي، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، فَأَقُولُ: سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي“

”میں کہوں گا: یہ میرے ہیں۔“ لیکن کہا جائے گا: آپ ﷺ نہیں جانتے، انھوں نے آپ کے بعد کیسی کیسی نئی باتیں نکالیں۔ تب میں کہوں گا: ”دور دفع ہوں (اور) برباد ہو جائیں وہ لوگ جنھوں نے میرے بعد (دین میں) تغیر

---

[1] صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6579. [2] صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6583، وصحيح مسلم، الفضائل، حديث: 2290.



پیدا کیا۔"[1]

قیامت کے دن شفاعت کا اعزاز اور مقامِ محمود ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ ہی کے لیے ہے۔ میدان محشر میں کھڑے لوگوں کے لیے آپ ﷺ سفارش کریں گے کہ ان کا فیصلہ کر دیا جائے، یہ مقامِ محمود ہے۔ اہل جنت کے لیے آپ شفاعت کریں گے کہ انھیں جنت میں بھیج دیا جائے۔ آپ ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ ﷺ اپنے چچا ابوطالب کے لیے سفارش کریں گے کہ ان کا عذاب گھٹا دیا جائے۔

یہ تین شفاعتیں ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ ہی کے لیے مخصوص ہیں۔ آپ کے علاوہ یہ اعزاز کسی کو نصیب نہیں ہوگا۔

امت میں سے جو لوگ جنت میں جائیں گے ان کے لیے آپ بلندیِ درجات کی سفارش کریں گے۔ امت کے ایک گروہ کے لیے آپ یہ شفاعت کریں گے کہ وہ بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں۔ وہ لوگ جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی، ان کے لیے آپ سفارش کریں گے کہ وہ جنت میں چلے جائیں۔ بعض دیگر افراد جن کے لیے یہ حکم دے دیا جائے گا کہ انھیں جہنم میں پھینک دیا جائے، ان کے لیے آپ سفارش کریں گے کہ انھیں جہنم میں نہ ڈالا جائے۔ جو اہل توحید گناہوں کے باعث جہنم میں ڈال دیے جائیں گے انھیں آپ ﷺ کی سفارش سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اس شفاعت میں فرشتے، نبی، شہدا، صدیق، صلحا اور دیگر اہل ایمان بھی آپ کے ساتھ شریک ہوں گے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو محض

---

[1] صحیح البخاري، الرقاق، حدیث:6584، وصحیح مسلم، الفضائل، حدیث:2291.

اپنے فضل وکرم سے بغیر شفاعت ہی جہنم سے نکال دے گا۔[1] جہاں تک کافروں کا تعلق ہے تو ان کے لیے کوئی شفاعت نہیں ہوگی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ﴾

”پھر سفارشیوں کی سفارش انھیں نفع نہ دے گی۔“[2]

اہل ایمان کے اعمال بھی قیامت کے دن ان کی سفارش کریں گے۔ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: «اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

”روزے اور قرآن قیامت کے دن بندے کی سفارش کریں گے۔“[3]

قیامت کے دن موت کو لا کر ذبح کر دیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا صَارَ أَهْلُ الْجَنَّةِ إِلَى الْجَنَّةِ، وَأَهْلُ النَّارِ إِلَى النَّارِ، جِيءَ بِالْمَوْتِ حَتّٰى يُجْعَلَ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، ثُمَّ يُذْبَحُ، ثُمَّ يُنَادِي مُنَادٍ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! لَا مَوْتَ، يَا أَهْلَ النَّارِ! لَا مَوْتَ، فَيَزْدَادُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَرَحًا إِلٰى فَرَحِهِمْ، وَيَزْدَادُ أَهْلُ النَّارِ حُزْنًا إِلٰى حُزْنِهِمْ»

”جب اہل جنت، جنت میں اور اہل جہنم، جہنم میں چلے جائیں گے تو موت کو

---

[1] اس شفاعت کے قبول ہونے کی دو شرطیں ہوں گی: پہلی شرط یہ کہ اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت دے، فرمایا: ﴿مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ ”کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟“ (البقرۃ 2:255) دوسری شرط یہ کہ اللہ تعالیٰ سفارش کنندہ اور سفارشی دونوں سے راضی ہو، فرمایا: ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ﴾ ”اور وہ صرف اس کی سفارش کریں گے جس کے لیے اللہ پسند کرے گا۔“ (الأنبیآء 21:28) [2] المدثر 74:48. [3] مسند أحمد: 2:174.



جنت اور جہنم کے درمیان لا کر ذبح کر دیا جائے گا، پھر ایک منادی ندا کرے گا: اے اہل جنت! (اس کے بعد) کوئی موت نہیں اور اے اہل جہنم! (اس کے بعد) کوئی موت نہیں۔ اس بات سے اہل جنت کی خوشی اور اہل جہنم کے دکھ میں اضافہ ہو جائے گا۔"[1]

إيمان بالقدر (تقدیر پر ایمان لانا): اہل سنت والجماعت اس بات کا پختہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خیر اور شر دونوں اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اسی کی تقدیر سے پیش آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ ہر شے اس کے ارادے سے ہے۔ کوئی چیز اس کی مشیت اور تدبیر کے بغیر نہیں۔ جو اشیاء تھیں، جو ہیں اور جو ہوں گی، اللہ ان سب کو جانتا ہے۔ اسی نے کائنات کی ہر شے کی تقدیر مقرر کی جیسا کہ پہلے ہی سے اس کے علم میں تھا اور اس کی حکمت نے تقاضا کیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات سے پوری طرح آگاہ ہے۔ وہی ان کے رزق، ان کے وقت مقرر، ان کے اعمال اور دیگر تمام معاملات سے واقف ہے۔ ہر نئی پیدا ہونے والی شے اس کے علم کے مطابق، اس کی قدرت اور اس کے ارادے سے وجود میں آتی ہے۔ الغرض جو کچھ ابد تک پیش آنے والا ہے وہ تقدیر ہے جس کا اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم ہے اور قلم نے اسے لکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿سُنَّةَ اللهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ﴾

"اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے ان لوگوں (انبیاء) میں بھی جو پہلے گزر چکے ہیں اور

---

[1] صحيح البخاري، الرقاق، حديث:6548، وصحيح مسلم، الجنة ونعيمها، حديث:2850

اللہ کا علم ہمیشہ سے ایک طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔"[1]

اور فرمایا: ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾

"بلاشبہ ہم نے ہر چیز ایک مقرر اندازے کے مطابق پیدا کی ہے۔"[2]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ حَتّٰى يَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ، وَأَنَّ مَا أَخْطَأَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَهُ»

"کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے اور یہاں تک کہ وہ یہ جان لے کہ جو کچھ اسے پیش آیا وہ اس سے ٹل نہیں سکتا تھا اور جو کچھ اسے پیش نہیں آیا وہ اسے پیش نہیں آ سکتا تھا۔"[3]

اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ تقدیر کا ایمان چار باتوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ ان چار باتوں کو تقدیر کے مراتب یا تقدیر کے ارکان کہتے ہیں۔ یہ چار اُمور مسئلۂ تقدیر کے فہم کا دیباچہ ہیں۔ ان ارکان پر ایمان لائے بغیر ایمان بالقدر مکمل نہیں ہوتا کیونکہ یہ چاروں ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہیں کہ ایمان بالقدر کی تکمیل کے لیے ان چاروں کا اقرار کرنا ضروری ہے۔ ان میں سے ایک بھی رکن کم ہوا تو تقدیر پر ایمان میں خلل آ جائے گا۔

پہلا مرتبہ، **علم**: یہ ایمان رکھنا ضروری ہے کہ جو کچھ ہوا، جو کچھ ہو رہا ہے، جو کچھ ہوگا، جو کچھ نہیں ہوا اور اگر وہ ہوتا تو کیسے ہوتا، اللہ تعالیٰ اس کا اجمالی اور تفصیلی علم رکھتا

---

[1] الأحزاب 38:33. [2] القمر 49:54. [3] جامع الترمذي، القدر، حديث: 2144.



ہے۔ وہ مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے ہی جانتا تھا کہ وہ کیا کریں گی۔ وہ ان کے رزق، ان کے وقت مقرر، ان کے اعمال اور ان کی تمام حرکات وسکنات کے بارے میں آگاہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ان میں کون اچھا اور کون برا ہے۔ یہ اس کا قدیمی علم ہے جس کا وہ ازل سے مالک ہے۔ اس نے فرمایا: ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ﴾

"بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔" [1]

دوسرا مرتبہ، لکھنا: یہ ایمان رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیشگی علم کی بنا پر تمام مخلوقات کی تقدیریں لوحِ محفوظ میں لکھ دی ہیں۔ لوحِ محفوظ وہ کتاب ہے جس میں کسی بات کی کمی نہیں چھوڑی گئی۔ جو کچھ ہوا اور قیامت تک جو کچھ ہوگا وہ اللہ کے ہاں اس کتاب میں لکھا ہوا ہے جسے ام الکتاب کے علاوہ ذکر، امام اور کتاب مبین بھی کہتے ہیں۔ فرمایا: ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَٰهُ فِىٓ إِمَامٍ مُّبِينٍ﴾

"اور ہم نے ہر شے کو واضح کتاب میں محفوظ کر رکھا ہے۔" [2]

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ، فَقَالَ: اُكْتُبْ، قَالَ: مَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: اُكْتُبِ الْقَدَرَ، مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى الْأَبَدِ»

"سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا اور فرمایا: لکھ۔ اس نے عرض کیا: کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر لکھ، جو کچھ ہوا اور ابد تک جو کچھ ہوگا۔" [3]

تیسرا مرتبہ، ارادہ اور مشیت: اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے اللہ کے

[1] التوبة 9:115، [2] يٰس 36:12، [3] جامع الترمذي، القدر، حديث: 2155.

ارادے اور اسی کی مشیت سے ہے جو رحمت اور حکمت کے درمیان گھومتی ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے، اپنی رحمت سے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے، اپنی حکمت سے گمراہ کرتا ہے۔ چونکہ اس کی حکمت کامل اور قوت بھرپور ہے، اس لیے وہ جو چاہے کرے، کوئی اسے پوچھنے والا نہیں۔ باز پرس تو بندوں سے ہوگی۔

کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کے پیشگی علم کے مطابق ہوتا ہے جو لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ یوں اللہ کی مشیت ہر ایک پر نافذ ہے اور اس کی قدرت ہمہ گیر ہے۔ جو اس نے چاہا، وہ ہوا اور جو اس نے نہیں چاہا، وہ نہیں ہوا۔ کوئی شے اس کے ارادے سے باہر نہیں۔ فرمایا: ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

"اور اللہ رب العالمین کے چاہے بغیر تم (کچھ بھی) نہیں چاہ سکتے۔"[1]

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ، كَقَلْبٍ وَاحِدٍ، يُصَرِّفُهُ حَيْثُ يَشَاءُ»

"بلاشبہ بنوآدم کے تمام دل، ایک دل کی طرح الرحمان کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ انھیں جس طرح چاہتا ہے، پھیرتا ہے۔"[2]

چوتھا مرتبہ، خلق (پیدا کرنا): یہ ایمان رکھنا لازمی ہے کہ اللہ ہر شے کا خالق ہے۔ اس کے سوا کوئی خالق نہیں، اس کے سوا کوئی رب نہیں۔ اس کے سوا جو کچھ ہے، اس کی مخلوق اور اسی کا پیدا کردہ ہے۔ وہ ہر عمل کرنے والے فرد اور اس کے عمل کا خالق

---

[1] التکویر 29:81. [2] صحیح مسلم، القدر، حدیث: 2654.



ہے۔ وہ ہر حرکت کرنے والی چیز اور اس کی حرکت کا خالق ہے۔ اس نے فرمایا:

﴿ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۝ ﴾

''اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کا ٹھیک اندازہ کیا۔''①

خیر وشر، کفر وایمان اور اطاعت و نافرمانی کی جو بھی بات پیش آتی ہے، اللہ تعالیٰ ہی نے اس کا ارادہ کیا، مقدر کیا اور پیدا کیا ہے۔ اس نے فرمایا:

﴿ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ﴾

''اور کسی شخص کے لیے (ممکن) نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لائے۔''②

اور فرمایا: ﴿ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا ﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: ہمیں تو صرف وہی چیز پہنچے گی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی۔''③

یہ ایمان رکھنا بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ واحد خالق ہے جو پیدا کرتا اور وجود میں لاتا ہے۔ وہی بلا استثنا ہر شے کا خالق ہے۔ نہ اس کے سوا کوئی خالق ہے نہ اس کے سوا کوئی ربّ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝ ﴾

''اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر خوب نگہبان ہے۔''④

اللہ تعالیٰ اطاعت (فرماں برداری) کو پسند کرتا اور معصیت (نافرمانی) کو ناپسند کرتا ہے۔ وہ اپنے فضل سے جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے اور اپنے عدل سے جسے چاہتا

① الفرقان 2:25. ② یونس 100:10. ③ التوبة 51:9. ④ الزمر 62:39.

ہے، گمراہ کرتا ہے۔ اس نے فرمایا:

﴿ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۗ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾

''اگر تم کفر کرو گے تو یقیناً اللہ تم سے بہت بے پروا ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو گے تو وہ اسے تمھارے لیے پسند کرتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''[1]

جسے اس نے گمراہ کیا، اس کے لیے کوئی حجت، کوئی عذر نہیں کیونکہ اس نے رسولوں کو مبعوث کیا تا کہ کوئی حجت نہ کر سکے۔ اس نے آدمی کے عمل کو آدمی ہی کی طرف منسوب کیا اور اسے آدمی کی کمائی قرار دیا۔ اس نے انسان کو اسی کا مکلف بنایا جس کی وہ طاقت رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ﴾

''آج ہر نفس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا۔ آج کوئی ظلم نہیں ہوگا۔''[2]

اور فرمایا: ﴿ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ ﴾

''بے شک ہم نے اسے راستے کی ہدایت دی، خواہ وہ شکر گزار بنے یا ناشکرا۔''[3]

مزید فرمایا: ﴿ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ﴾

''تا کہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کو الزام دینے کی کوئی گنجائش نہ رہے۔''[4]

---

[1] الزمر 39:7۔ [2] المؤمن 40:17۔ [3] الدھر 76:3۔ [4] النسآء 4:165۔



ایک اور جگہ فرمایا: ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾
''اللہ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر پابند احکام نہیں بناتا۔''①

لیکن اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت کی وجہ سے شر کو اس کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس نے خیر کا حکم دیا اور شر سے منع کیا۔ شر تو اس کی حکمت کا ایک تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ﴾

''(اے انسان!) تجھے جو بھی بھلائی ملے، وہ اللہ کی طرف سے ہے اور تجھے جو بھی تکلیف پہنچے وہ (خود) تیری اپنی طرف سے ہے۔''②

اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے۔ عدل اس کا وصف ہے۔ وہ کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اس کے تمام افعال سراپا عدل و رحمت ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ ﴾ ''اور میں بندوں پر ظلم توڑنے والا نہیں۔''③

اور فرمایا: ﴿ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ ﴾ ''اور آپ کا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا۔''④

مزید فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ﴾
''بے شک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔''⑤

اللہ تعالیٰ جو چاہے اور جو کچھ کرے، اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ فرمایا:

﴿ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ ﴾

① البقرۃ 2:286. ② النسآء 4:79. ③ ق 50:29. ④ الکھف 18:49. ⑤ النسآء 4:40.

''وہ جو کام کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے سوال نہیں کیا جا سکتا، جبکہ (جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اس کی) ان سے باز پرس کی جائے گی۔''[1]

الغرض اللہ تعالیٰ نے انسان اور اس کے افعال کو پیدا کیا اور انسان کو ارادہ، قدرت، مشیت اور اختیار عطا کیا تا کہ انسان کے افعال اس کی طرف سے حقیقت میں صادر ہوں نہ کہ مجازی طور پر۔ اور اس نے انسان کو عقل عطا کی جس کے ذریعے سے وہ خیر و شر میں تمیز کر سکے۔ اس نے انسان کے انھی اعمال کا محاسبہ کیا جو انسان نے اپنے ارادہ و اختیار سے انجام دیے۔ یوں انسان پر کوئی جبر نہیں کیا گیا، اسے مجبور نہیں بنایا گیا بلکہ اس کے پاس مشیت ہے، اختیار ہے۔ اسے جو افعال انجام دینے ہوں اور جو عقائد اسے اپنانے ہوں، وہ انھیں خود اختیار کرتا ہے، تاہم اس کی مشیت اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا، نہیں ہوتا۔ یوں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے افعال کا خالق ہے جبکہ بندے ان افعال کے کرنے والے ہیں۔ ان کے افعال پیدا کرنے، وجود میں لانے اور مقدر کرنے کے اعتبار سے اللہ کی طرف سے ہیں جبکہ انجام دینے اور کرنے کے اعتبار سے وہ بندوں کی طرف سے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ إِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

''اور اللہ رب العالمین کے چاہے بغیر تم (کچھ بھی) نہیں چاہ سکتے۔''[2]

مشرکین نے جب تقدیر کو اپنے مشرکانہ کرتوتوں کا بہانہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی

---

[1] الأنبیآء 23:21. [2] التکویر 29:81.



اس بات کو سختی سے مسترد کر دیا۔ انھوں نے کہا:

﴿ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ ﴾

''اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے اور نہ ہم کوئی چیز حرام کرتے۔''①

اللہ تعالیٰ نے جواباً ان سے فرمایا:

﴿ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝ ﴾

''کہہ دیجیے: کیا تمھارے پاس کوئی علم ہے تو اسے ہمارے سامنے پیش کرو؟ تم تو گمان ہی کی پیروی کرتے ہو اور اٹکل پچو ہی سے کام لیتے ہو۔''②

اہل سنت والجماعت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ تقدیر اللہ کا سربستہ راز ہے جس سے نہ تو کوئی مقرب فرشتہ آگاہ ہے نہ کوئی نبی مرسل۔

مسئلہ تقدیر پر غور و فکر کرنا گمراہی ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر کے علم کو لوگوں سے مخفی رکھا اور اس کے بارے میں سوچ بچار سے منع کیا ہے۔ فرمایا:

﴿ لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ۝ ﴾

''وہ جو کچھ کرتا ہے اس کی بابت اس سے سوال نہیں کیا جا سکتا، جبکہ ان (لوگوں) سے باز پرس کی جائے گی۔''③

اہل سنت والجماعت، قرآن مجید کی یہ آیت گمراہ اور راہ حق سے منحرف فرقوں کو

① الأنعام 148:6. ② الأنعام 148:6. ③ الأنبیآء 23:21.

بطورِ دلیل سناتے ہیں:

﴿قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝﴾

''کہہ دیجیے: یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، پھر کیا حال ہے ان لوگوں کا جو بات سمجھنے کے قریب نہیں پھٹکتے!''[1]

اسی بات پر سلف صالحین، صحابہ وتابعین ایمان لائے تھے۔ رحمہم اللہ



[1] النسآء 4:78.

حقیقت ایمان

اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایمان کی تعریف: دل کی تصدیق، زبان کا اقرار اور کام کرنے والے اعضائے بدن کا عمل اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری سے ایمان بڑھتا اور اس کی نافرمانی سے ایمان کم ہوتا ہے۔

ایمان[1] قول بھی ہے اور عمل بھی: قول ہے دل کا اور زبان کا جبکہ عمل ہے دل،

---

[1] لغت میں ایمان کے معنی ہیں، تصدیق، اظہار خضوع اور اقرار۔ شرع میں ایمان سے مراد تمام ظاہری اور باطنی طاعات ہیں۔ باطنی طاعات سے مراد دل کی تصدیق ہے جبکہ بدن انسانی جو شرعی واجبات و مندوبات ادا کرتا ہے وہ احکامات الٰہی کی ظاہری تعمیل ہے۔ حاصل کلام یہ کہ ایمان وہ ہے جو دل میں جاگزیں ہو جائے اور آدمی کا عمل اس کی تصدیق کرے۔ ایمان کے نتیجے میں آدمی احکام الٰہی کی تعمیل کرتا اور ممنوعات الٰہی سے باز رہتا ہے۔ علم کے ساتھ اگر عمل نہ ہو تو ایسے علم کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر صرف علم کسی کو فائدہ دے سکتا تو ابلیس کو ضرور فائدہ دیتا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس علم کے نتائج بھی اس کے نزدیک شک وشبہ سے بالاتر تھے لیکن جب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آدم علیہ السلام کو سجدے کا حکم ہوا تو اس نے انکار کیا، تکبر کیا اور کافروں میں شمار ہوا۔ اسے اللہ کی وحدانیت کا جو علم تھا، اس نے اس کی مدد نہیں کی کیونکہ عمل سے خالی علم کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی اہمیت نہیں۔ سلف صالحین کا فہم اس سلسلے میں یہی تھا۔ قرآن مجید میں بھی عمل کے ذکر کے بغیر ایمان کا ذکر نہیں کیا گیا۔ ◄◄

زبان اور کام کرنے والے اعضائے بدن کا۔

دل کے قول سے مراد یہ ہے کہ دِل اعتقاد رکھے، تصدیق کرے، اقرار کرے اور یقین کرے۔

زبان کے قول سے مراد یہ ہے کہ زبان عمل کا اقرار کرے، یعنی وہ دونوں شہادتیں دے اور کہے کہ ان کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

دل کے عمل سے مراد یہ ہے کہ دل نیت کرے، تسلیم کرے، اخلاص برتے، تابع فرمان ہو، محبت کرے اور عمل صالح کا ارادہ کرے۔

زبان اور کام کرنے والے اعضائے بدن کا عمل یہ ہے کہ وہ احکام کی تعمیل کریں اور ممنوعات سے پرہیز کریں۔

عمل کے بغیر ایمان نہیں۔ نیت کے بغیر قول و عمل نہیں اور سنت کی موافقت کے بغیر قول و عمل اور نیت نہیں۔[1]

اللہ تعالیٰ نے انھی لوگوں کو حقیقی اہل ایمان قرار دیا جو ایمان کے مطابق عمل کرتے ہیں، جن کے عقائد اور ظاہری و باطنی عمل و کردار پر ایمان کے اثرات نظر آتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ

•• بہت سی آیات قرآنی میں ایمان کے ساتھ ساتھ عمل کا ذکر التزاماً کیا گیا ہے۔ [1] یہ امام اوزاعی، امام سفیان ثوری اور امام حمیدی رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے جسے علامہ لالکائی رحمہ اللہ (74/1) اور ابن بطہ نے روایت کیا۔



عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝﴾

''(سچے) مومن تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کی جائے تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے انھیں جو رزق دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے ہاں درجے ہیں اور بخشش ہے اور باعزت رزق ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی بیشتر آیات میں ایمان کو عمل کے ساتھ جوڑا ہے۔

ملاحظہ ہوں یہ آیات:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝﴾

''بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے بطور مہمانی فردوس کے باغات ہیں۔''[2]

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا﴾

''بلاشبہ جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر خوب قائم (جمے)

---

[1] الأنفال 8:2-4. [2] الكهف 18:107.

رب ہے، ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اترتے ہیں: نہ تم ڈرو اور نہ غم کھاؤ۔'' ①

﴿ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

''اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو، ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے رہے۔'' ②

اور فرمایا:

﴿ وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ ﴾

''زمانے کی قسم! بے شک ہر انسان یقیناً خسارے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔'' ③

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ، ثُمَّ اسْتَقِمْ»

''کہو، میں اللہ پر ایمان لایا، پھر ڈٹ جاؤ۔'' ④

آپ نے ایک اور موقع پر فرمایا:

«اَلْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ أَوْ بِضْعٌ وَسِتُّونَ شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ»

''ایمان کے ستر سے زائد یا ساٹھ سے زائد شعبے ہیں جن میں سے افضل لا الٰہ

① حٰمٓ السجدۃ 30:41. ② الزخرف 72:43. ③ العصر 103:1-3. ④ مسند أحمد 413/3.



الا اللہ کہنا ہے جبکہ ادنیٰ راستے سے تکلیف دہ شے ہٹا دینا ہے۔اور حیا ایمان کا ایک عظیم شعبہ ہے۔''[1]

یوں علم اور عمل لازم وملزوم ہیں، یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتے۔ عمل، علم کا چہرہ اور اس کا جوہر ہے۔

کتاب وسنت کے بیشتر دلائل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایمان کے متعدد درجے اور شعبے ہیں۔ ایمان میں اضافہ بھی ہوتا ہے اور اس میں کمی بھی آتی ہے۔مختلف اہل ایمان کا ایمان بھی کم وبیش ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا ﴾

''اور زیادہ ہوں وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں ایمان میں۔''[2]

اور فرمایا: ﴿ فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا ﴾

''تو اس (سورت) نے انھیں ایمان میں زیادہ کیا ہے۔''[3]

اور فرمایا: ﴿ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴾

''اور جب ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کی جائے تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔''[4]

اور فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ ﴾ ''وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں پر تسکین نازل فرمائی تاکہ ان کے ایمان میں اور (مزید) ایمان کا اضافہ ہو۔''[5]

[1] صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 35. [2] المدثر 74:31. [3] التوبة 9:124. [4] الأنفال 8:2. [5] الفتح 48:4.

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ، وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ، وَأَعْطٰى لِلّٰهِ، وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ»

''جس نے اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے نفرت کی، اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے روکا، اس نے ایمانِ کامل حاصل کر لیا۔''[1]

آپ ﷺ نے ایک اور موقع پر فرمایا:

«مَنْ رَأٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ»

''تم میں سے جو شخص بری بات دیکھے وہ اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اپنی زبان سے۔ اگر وہ ایسا بھی نہ کر سکے تو اپنے دل سے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔''[2]

صحابۂ کرام نے رسول اکرم ﷺ سے یہی سیکھا اور سمجھا تھا کہ ایمان اعتقاد بھی ہے، قول بھی ہے اور عمل بھی۔ ایمان فرماں برداری کے کام کرنے سے بڑھتا اور نافرمانی کے کام کرنے سے گھٹتا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ایمان میں صبر کی حیثیت وہی ہے جو بدن میں سر کی ہے۔ جس کے پاس صبر نہیں، اس کے پاس ایمان نہیں۔''[3]

---

[1] سنن أبي داود، السنة، حديث: 4681. [2] صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 49. [3] شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي: 125/4.



حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ زِدْنَا إِيمَانًا، وَيَقِينًا، وَفِقْهًا» ''اے اللہ! ہمارے ایمان ویقین اور ہماری فقہ (سمجھ) میں اضافہ فرما۔''①

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے: ''ایمان بڑھتا اور کم ہوتا ہے۔''②

امام وکیع بن جراح رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ ایمان قول اور عمل ہے۔''③

امام اہل سنت، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ایمان بڑھتا گھٹتا رہتا ہے۔ عمل کرنے سے یہ بڑھتا ہے اور ترکِ عمل سے کم ہو جاتا ہے۔''④

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ایمان، آراستہ بننے سے یا ایمان کی تمنا کرنے سے نہیں آتا۔ ایمان تو وہ ہے جو دلوں میں بیٹھ جائے اور اعمال اس کی تصدیق کریں۔''⑤

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ایمان قول اور عمل ہے۔ وہ بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے۔ فرماں برداری کے کام کرنے سے وہ بڑھتا اور نافرمانی کے کام کرنے سے کم ہوتا ہے۔'' بعد ازاں انھوں نے بطور دلیل یہ آیت پڑھی: ﴿ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا ﴾

---

① شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي: 4/298. ② شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي: 4/306، 310. ③ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي: 4/141. ④ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي: 4/410. ⑤ كتاب الإيمان لابن أبي شيبة، رقم: 93، وسلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم: 1098.

’’اور ایمانداروں کا ایمان اور زیادہ ہو۔‘‘ [1]

امام ابن عبدالبر ؒ نے اپنی کتاب ’’تمہید‘‘ میں لکھا ہے: ’’اس امر پر فقہاء اور محدثین کا اتفاق ہے کہ ایمان قول اور عمل ہے۔ اور نیت کے بغیر عمل نہیں۔ ان کے نزدیک فرماں برداری کے کام کرنے سے ایمان بڑھتا اور نافرمانی کے کام کرنے سے کم ہو جاتا ہے۔ فرماں برداری کے تمام کام ان کے نزدیک ایمان ہیں۔‘‘ [2]

تمام صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ محدثین اور فقہائے اسلام اسی عقیدے پر قائم تھے۔ متقدمین اور متاخرین میں سے کسی نے اس سلسلے میں ان کی خلاف ورزی نہیں کی۔ ہاں وہ لوگ جو راہِ راست سے ہٹ گئے، انھوں نے اس باب میں انحراف کیا۔

اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ جس نے عمل کو ایمان سے باہر کیا، وہ گمراہ، بدعتی اور مرجیہ ہے۔ اور جو شخص زبان سے شہادتین کا اقرار کرے اور دل سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعتقاد رکھے لیکن وہ اسلام کے بعض اَرکان کی ادائیگی میں کوتاہی برتے، اس کا ایمان کامل نہیں، تاہم جو شخص سرے سے شہادتین کا اقرار ہی نہ کرے اس کے لیے ایمان اور اسلام کا لفظ نہیں بولا جا سکتا۔

ایمان میں استثنا: اہل سنت والجماعت ایمان میں استثنا کو درست سمجھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کہے: ’’میں ان شاء اللہ مومن ہوں تو یہ ان کے نزدیک درست ہے۔ وہ اپنے بارے میں یقین سے نہیں کہتے کہ وہ مومن ہیں۔ ایسا وہ اللہ کے شدید خوف سے، تقدیر پر ایمان اور خود ستائی سے بچنے کے لیے کہتے ہیں۔ وہ خود کو

---

[1] المدثر 31:74، وفتح الباري: 162:1. [2] التمهيد: 238/9.



نیکوکار، پرہیز گار اور بڑا مومن نہیں کہتے، اس لیے کہ ایمانِ مطلق نام ہے تمام احکامِ الٰہی کی پوری تعمیل کا اور تمام ممنوعاتِ الٰہی سے پوری طرح باز رہنے کا۔

لیکن اگر کوئی ایمان میں استثنا، ایمان میں شک کی راہ سے کرے، وہ ایمان میں شک وشبہ کو ایمان کا استثنا سمجھے تو ایسے استثنا کو اہل سنت والجماعت بالکل مسترد کرتے ہیں۔ وہ اسے استثنا نہیں بلکہ ایمان کی خرابی قرار دیتے ہیں۔

کتاب وسنت، روایاتِ سلف اور اقوال ائمہ سے ایمان میں استثنا کے دلائل ملتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾

''اور آپ کسی شے کے بارے میں کبھی یہ نہ کہیں: بے شک میں اسے کل کرنے والا ہوں مگر یہ کہ اللہ چاہے۔''[1]

اور فرمایا: ﴿فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۚ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝﴾

''لہٰذا تم اپنی پاکیزگی آپ ہی بیان نہ کرو، وہی پرہیز گار کو خوب جانتا ہے۔''[2]

نبی اکرم ﷺ جب کسی قبرستان میں داخل ہوتے تو یہ کہا کرتے:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ، أَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ»

''اہل دیار مومنو اور مسلمانو! السلام علیکم۔ ہم بھی بلاشبہ ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔ میں اللہ سے اپنے اور تمھارے لیے عافیت کا سوال کرتا ہوں۔''[3]

---

[1] الکھف 18:23، 24۔ [2] النجم 53:32۔ [3] صحیح مسلم، الجنائز، حدیث: 974، 975

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے بارے میں یہ گواہی دیتا ہے کہ وہ مومن ہے، وہ یہ بھی گواہی دے کہ وہ جنت میں جائے گا۔''[1]

جریر رحمہ اللہ نے کہا: ''میں نے منصور بن معتمر، مغیرہ، اعمش، لیث، عمارہ بن قعقاع، ابن مبارک رحمہم اللہ اور دیگر ائمہ کو جن سے میں ملا اور انھیں سنا وہ ایمان میں استثنا کرتے تھے اور جو استثنا نہیں کرتا تھا اسے وہ معیوب سمجھتے تھے۔''[2]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایمان کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''قول، عمل اور نیت۔'' پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص سوال کرے: ''کیا تو ایمان والا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: ''یہ کہنا بدعت ہے۔'' ان سے پھر پوچھا گیا کہ اس سوال کا کیا جواب دیا جائے؟ انھوں نے فرمایا: ''ان شاء اللہ، میں مومن ہوں۔''[3]

شریعت نے جن باتوں کو کرنے سے منع کیا ہے اگر کوئی ان کا ارتکاب کرتا ہے تو کافر نہیں ہوتا، بندۂ مومن اگر ان میں سے کسی بات کا مرتکب ہوتا ہے تو اہل سنت و الجماعت کے نزدیک اس سے ایمان کا وصف سلب نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح جن باتوں کو شریعت نے واجب ٹھہرایا ہے اگر کوئی ان کا تارک ہے تو تارک کافر نہیں ہوتا، بندۂ مومن اگر ان میں سے کسی بات کو ترک کرے تو اہل سنت والجماعت کے نزدیک اس سے ایمان کا وصف سلب نہیں کیا جائے گا۔ وہ ایمان سے خارج نہیں ہوگا اِلاّ یہ کہ وہ ایمان کے نواقض میں سے کسی ناقض کا مرتکب ہو۔

[1] شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي: 390/4، رقم: 1430. [2] شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي: 397/4، رقم: 1436. [3] شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي: 361/4، رقم: 1406.



کبیرہ گناہ کا مرتکب ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ وہ دنیا میں نَاقِصُ الْإِیمَان مومن ہے۔ وہ اپنے ایمان کے باعث مومن اور کبیرہ گناہ کی وجہ سے فاسق ہے۔ آخرت میں وہ اللہ کی مشیت کے تحت ہوگا، اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے معاف کر دے، چاہے تو عذاب دے۔ ایمان کے حصے اور اجزا ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بعض اہل ایمان کو جو جہنم میں جا چکے ہوں گے، ان کے قلیل ایمان کی وجہ سے جہنم سے نکال لے گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ»

''وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا۔''[1]

یوں اہل سنت والجماعت، اہل قبلہ میں سے کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے اِلّا یہ کہ وہ ایسے گناہ کا ارتکاب کرے جو ایمان کی جڑ اکھاڑ ڈالے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾

''بے شک اللہ (یہ گناہ) نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور وہ اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دے گا۔''[2]

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَتَانِي جِبْرِيلُ -عَلَيْهِ السَّلَامُ- فَبَشَّرَنِي أَنَّهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِكَ لَا

---

[1] صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 91، ومسند أحمد: 399/1. [2] النسآء 4: 48.

يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، قُلْتُ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ، قَالَ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ»

''جبریل علیہ السلام آئے اور مجھے یہ بشارت دی کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' میں نے کہا: اگرچہ اس نے زنا کیا، اگرچہ اس نے چوری کی؟! وہ بولے: ''اگرچہ اس نے زنا کیا، اگرچہ اس نے چوری کی۔''[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«اَلْإِيمَانُ نَزِهٌ، فَمَنْ زَنَا فَارَقَهُ الْإِيمَانُ، فَإِنْ لَامَ نَفْسَهُ وَرَاجَعَ رَاجَعَهُ الْإِيمَانُ»

''ایمان پاکیزہ ہے۔ جو شخص زنا کرتا ہے، ایمان اس سے الگ ہو جاتا ہے، پھر اگر وہ خود کو ملامت کرے اور لوٹ آئے تو ایمان بھی لوٹ آتا ہے۔''[2]

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ایمان تو اس طرح ہے جیسے کسی کی قمیص ہو، جسے وہ ایک بار اتار لیتا ہے، دوسری بار پہن لیتا ہے۔ واللہ! آدمی اپنے ایمان کے متعلق مطمئن اور بے فکر ہو جاتا ہے تو ایمان اس سے چھین لیا جاتا ہے اور وہ اس کی گمشدگی کو محسوس کرتا ہے۔''[3]

---

[1] صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 94. [2] شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي: 488/4، رقم: 1519. [3] شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي: 490/4، رقم: 490.



روایات میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے غلاموں کو ایک ایک کر کے بلاتے اور ہر ایک سے فرماتے: ''کیا میں تمھاری شادی نہ کردوں؟ جو بندہ زنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے نورِ ایمان چھین لیتا ہے۔'' ①

عکرمہ رحمہ اللہ نے سوال کیا کہ ایمان کس طرح چھین لیا جاتا ہے؟ فرمایا: ''اس طرح (انھوں نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم پیوست کیں، پھر انھیں الگ کر کے دکھایا)۔ اگر وہ توبہ کرے تو ایمان اس طرح لوٹ آتا ہے (یہ کہتے ہوئے انھوں نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم پیوست کر کے دکھائیں)۔ ②

اہل سنت والجماعت کے نزدیک جو اصولِ دین ثابت ہیں، ان میں سے دوسرے اصول ''حقیقتِ ایمان'' کی تفصیلات مکمل ہوئیں۔ اب تیسرے اصول، یعنی مسئلہ تکفیر کے متعلق اہل سنت والجماعت کے موقف سے متعلقہ تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔ تکفیر عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی ہیں: ''کسی فرد کو کافر قرار دینا۔''

① فتح الباري: 12/72. ② صحيح البخاري، الحدود، تحت حديث: 6809.

مسئلہ تکفیر کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا موقف

متعین شخص کو کافر قرار دینے کا ضابطہ: عقیدہ سلف صالحین، اہل سنت والجماعت کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ وہ کسی ایسے مسلمان کو متعین طور پر کافر قرار نہیں دیتے جس نے کسی کفریہ فعل کا ارتکاب کیا ہو، جب تک اس شخص پر ایسی حجت قائم نہ کی جائے جس کے باعث اسے کافر قرار دیا جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ شرائط پوری ہوں، کوئی مانع نہ ہو، اس نے کفریہ بات کا ارتکاب از راہ جہالت وتاویل نہ کیا ہو۔

یہ تو معلوم ہی ہے کہ یہ اصول ان مخفی باتوں کے بارے میں ہے جنھیں کھول کر بیان کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بر خلاف ظاہری باتوں کے جن کا کفر ہونا واضح ہے، جیسے وجود باری تعالیٰ کا انکار، رسول اللہ ﷺ کی تکذیب، آپ کی رسالت کے عموم اور ختم نبوت کا انکار کرنا۔

اہل سنت والجماعت ایسے شخص کو کافر قرار نہیں دیتے جسے کفر کرنے پر مجبور کیا جائے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ وہ کسی مسلمان کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیتے، چاہے وہ کبیرہ گناہ ہو، سوائے شرک کے۔ وہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب کو کافر



نہیں کہتے۔ وہ اسے فاسق اور ناقص الایمان کہتے ہیں، جب تک وہ گناہ کو جائز نہ سمجھے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝﴾

''بے شک اللہ (یہ گناہ) نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور وہ اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دے گا اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اس نے یقیناً بہت بڑا گناہ گھڑا۔''[1]

اور فرمایا:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝﴾

''آپ کہہ دیجیے: (اللہ فرماتا ہے:) اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم وزیادتی کی ہے! تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ سب کے سب گناہ معاف کردیتا ہے، یقیناً وہی خوب بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[2]

آدمی، شرک کے سوا، اگر کسی گناہ پر وفات پاتا ہے اور وہ اس گناہ کو جائز نہیں سمجھتا تھا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے تو اسے عذاب دے یا چاہے تو معاف کر دے۔ ان گمراہ فرقوں کو اس عقیدے سے اختلاف ہے جو کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر

---

[1] النسآء 4:48. [2] الزمر 39:53.

قرار دیتے ہیں یا یہ کہتے ہیں کہ وہ دو مقامات کے مابین ایک مقام پر ہے (وہ اس کے لیے مَنْزِلَةٌ بَيْنَ الْمَنْزِلَتَيْنِ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں)۔

نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں سخت احتیاط برتنے کی تاکید کی ہے کہ کوئی کسی کو واضح دلیل کے بغیر کافر قرار دے۔ فرمایا:

«أَيُّمَا امْرِىءٍ قَالَ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ! فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا، إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ، وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ»

''جو شخص اپنے بھائی سے کہتا ہے: ''اے کافر!'' تو ان دونوں میں سے ایک اس لقب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اگر وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اس نے کہا (تو وہ اس کا مستحق ہوا)، ورنہ یہ لفظ اسی (کہنے والے) پر لوٹ آتا ہے۔''[1]

آپ نے ایک اور موقع پر فرمایا:

«وَمَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ، أَوْ قَالَ: عَدُوَّ اللّٰهِ، وَلَيْسَ كَذٰلِكَ إِلَّا حَارَ عَلَيْهِ»

''اور جس نے کسی شخص کو کافر کہہ کر پکارا یا اللہ کا دشمن کہا، حالانکہ وہ ایسا نہیں تو یہ لقب اسی (کہنے والے) پر لوٹ آئے گا۔''[2]

ایک اور روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:

«لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ، وَلَا يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ، إِلَّا ارْتَدَّتْ

---

[1] صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 60. [2] صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 61.



عَلَيْهِ، إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذٰلِكَ»

''کوئی شخص، کسی شخص پر فاسق ہونے کی تہمت لگائے، یا اس پر کفر کی تہمت لگائے تو وہ تہمت اسی پر لوٹ آئے گی، اگر اس کا ساتھی ویسا نہیں۔'' [1]

مزید فرمایا: «وَمَنْ رَمٰى مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ، فَهُوَ كَقَتْلِهِ»

''اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی، یہ اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔'' [2]

اور فرمایا: «إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا»

''جب آدمی اپنے بھائی کو کافر کہتا ہے تو ان دونوں میں سے کوئی ایک اس کا مستحق ٹھہرتا ہے۔'' [3]

عمومی حکم اور متعین حکم میں فرق

اہل بدعت پر مطلقاً معصیت کا یا کفر کا حکم لگانا اور کسی شخص کو جس کا اسلام یقینی طور پر ثابت ہو اور پھر اس سے کسی بدعت کا ارتکاب ہوا ہو، متعین طور پر اسے معصیت کار، فاسق یا کافر قرار دینا، اہل سنت والجماعت کے نزدیک ان دونوں باتوں میں نمایاں فرق ہے۔

وہ کسی مسلمان کو متعین طور پر معصیت کار، فاسق یا کافر نہیں کہتے یہاں تک کہ اس پر حجت قائم کر کے اور شبہات کا ازالہ کر کے اس کے سامنے ''حق'' واضح کر دیا جائے۔

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6045. [2] صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6105.
[3] صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6103.

یہ اصول، مخفی اُمور کے بارے میں ہے، ان باتوں کے بارے میں نہیں ہے جن کا کفر ہونا واضح ہو۔ اہل سنت والجماعت کسی مسلمان کو اس وقت تک کافر نہیں کہتے جب تک تکفیر کی شرائط پوری نہ ہوں اور مانع معدوم نہ ہو۔ ①

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

---

① (جس شخص کا اسلام یقینی طور پر ثابت ہے وہ شک کی بنیاد پر کالعدم نہیں ہوتا)۔ یہ ایک سلفی قاعدہ ہے جس پر ہمارے اسلاف عمل پیرا تھے۔ یوں وہ تکفیر سے بہت دُور رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب نہروان والوں کے بارے میں پوچھا گیا: کیا وہ کافر ہیں تو انھوں نے جواب دیا: ''کفر ہی سے تو وہ بھاگے ہیں۔'' پوچھا گیا: تو کیا وہ منافق ہیں؟ فرمایا: ''منافق تو اللہ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں اور وہ لوگ صبح وشام اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ وہ ہمارے بھائی ہیں جنھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔'' (السنن الکبرٰی للبیھقي: 173/8) مسئلہ تکفیر کے سلسلے میں نوع (اصل) کا دیکھنا بھی ضروری ہے اور عین (فرع) کا بھی۔ اس لیے کہ ہر کفر ایسا نہیں ہوتا جس کی وجہ سے کسی متعین شخص کو کافر قرار دیا جائے۔ کسی بات کے متعلق یہ حکم لگانا کہ یہ کفر ہے اور اس بات کے کہنے والے کو متعین کرکے یہ کہنا کہ یہ کافر ہے، ان دونوں باتوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا: ''تاویل کرنے والے اور صاحب عذر جاہل شخص کا حکم وہ نہیں جو بغض وعناد رکھنے والے شخص اور فاجر وبدکار کا حکم ہے۔ ان ہر دو قسم کے افراد کا حکم علیحدہ علیحدہ ہے۔'' (مجموعۃ الرسائل والمسائل: 382/3) انھوں نے مزید لکھا ہے: ''جب یہ بات صاف ہوگئی تو ان جاہلوں میں سے کسی شخص کے بارے میں متعین طور پر یہ حکم لگانا جائز نہیں کہ وہ کافروں کے ساتھ ہے الا یہ کہ ان میں سے کسی پر پیغام کے ذریعے سے حجت قائم ہو جائے جس سے یہ واضح ہو جائے کہ وہ رسول اللہ (ﷺ) کا مخالف ہے۔ اگرچہ ان جاہلوں کی یہ بات بلاشبہ کفر ہے۔ متعین طور پر کسی کو کافر قرار دینے کا یہی ضابطہ ہے۔'' (مجموعۃ الرسائل والمسائل: 348/3)



كَانَ رَجُلَانِ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ مُتَوَاخِيَيْنِ، فَكَانَ أَحَدُهُمَا يُذْنِبُ، وَالْآخَرُ مُجْتَهِدٌ فِي الْعِبَادَةِ، فَكَانَ لَا يَزَالُ الْمُجْتَهِدُ يَرَى الْآخَرَ عَلَى الذَّنْبِ، فَيَقُولُ: أَقْصِرْ. فَوَجَدَهُ يَوْمًا عَلَى ذَنْبٍ، فَقَالَ لَهُ: أَقْصِرْ. فَقَالَ: خَلِّنِي وَرَبِّي أَبُعِثْتَ عَلَيَّ رَقِيبًا؟ فَقَالَ: وَاللّٰهِ! لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ ـ أَوْ لَا يُدْخِلُكَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ، فَقَبَضَ أَرْوَاحَهُمَا، فَاجْتَمَعَا عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِينَ، فَقَالَ لِهٰذَا الْمُجْتَهِدِ: أَكُنْتَ بِي عَالِمًا، أَوْ كُنْتَ عَلَى مَا فِي يَدِي قَادِرًا؟ وَقَالَ لِلْمُذْنِبِ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِي، وَقَالَ لِلْآخَرِ: اذْهَبُوا بِهِ إِلَى النَّارِ. قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَتَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ، أَوْبَقَتْ دُنْيَاهُ وَآخِرَتَهُ.

''بنی اسرائیل کے دو افراد ایک دوسرے کے بھائی بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک گناہ کرتا تھا جبکہ دوسرا بڑی محنت سے عبادت کرتا تھا۔ وہ محنتی عبادت گزار دوسرے کو گناہ کرتے دیکھتا تو کہتا: باز آ جاؤ۔ ایک روز اس نے اسے گناہ کرتے ہوئے دیکھا اور کہا: باز آ جاؤ۔ گناہ کرنے والے نے جواب دیا: میں جانوں اور میرا اللہ، تم مجھے میرے رب کے ساتھ چھوڑ دو۔ کیا تمھیں میرا نگران بنا کر بھیجا گیا ہے؟ محنتی نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تجھے نہیں بخشے گا (یا کہا: اللہ تجھے جنت میں داخل نہیں کرے گا)۔ چنانچہ ان دونوں کی روحیں قبض کی گئیں اور وہ رب العالمین کے حضور اکٹھے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے محنتی سے

فرمایا: کیا تم میرے بارے میں جانتے تھے؟ یا تم اس پر قادر تھے جو میرے ہاتھ میں ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے گناہ گار سے کہا: جاؤ اور میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور دوسرے سے کہا: اسے جہنم میں لے جاؤ۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے: اس نے ایسی بات کہی تھی جس نے اس کی دنیا و آخرت تباہ و برباد کر ڈالی۔''[1]

کفر کی اقسام: کفر ایمان کی ضد ہے۔ شریعت کی نظر میں کفر دو طرح کا ہے۔ ایک وہ کفر جو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ دوسرا وہ کفر جو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا۔ ایمان کی طرح کفر کے بھی بیشتر شعبے ہیں جن میں سے بعض تو موجب کفر ہوتے ہیں اور بعض کافروں کے خصائل میں شمار ہوتے ہیں۔

پہلی قسم، کفر اکبر: کفر اکبر کو کفرِ اعتقادی بھی کہتے ہیں۔ یہ کفر آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ یہ ایمان کا ناقض ہے، یعنی اس سے ایمان ختم اور اسلام ضائع ہو جاتا ہے۔ یہ کفر واجب قرار دیتا ہے کہ اس کا مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہے۔ یہ کفر اعتقاد میں بھی ہوتا ہے، قول میں بھی اور عمل میں بھی۔ اس کی پانچ قسمیں ہیں:

① کفر تکذیب: کفر تکذیب کا مطلب یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ رسول سچے نہیں تھے یا یہ دعویٰ کرنا کہ رسول جو پیغام لے کر آئے وہ حق نہیں تھا یا کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اللہ نے فلاں شے حرام کی اور فلاں شے حلال کی حالانکہ وہ یہ علم رکھتا ہو کہ اس کا یہ دعویٰ غلط ہے اور تعلیماتِ الٰہی کے خلاف ہے۔

[1] سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4901.



② کفرِ تکبر مع تصدیق: اس کفر کا مرتکب یہ تو اقرار کرتا ہے کہ رسول، رب تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ لے کر آئے وہ حق ہے لیکن وہ از راہِ تکبر حق اور اہل حق کو حقیر جانتے ہوئے رسول کی اتباع سے انکار کر دیتا ہے۔ اس کی مثال ابلیس ملعون کا کفر ہے۔ اس نے امرِ الٰہی کو جھٹلایا تھا، نہ اس کا انکار کیا تھا لیکن وہ خود پسندی اور تکبر کا شکار ہوا۔ یوں اس نے امرِ الٰہی کی تعمیل نہ کی اور ہمیشہ کے لیے مردود اور راندۂ درگاہ ہو گیا۔

③ کفرِ اعراض: کفرِ اعراض کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے دامنِ سماعت تک نبوی تعلیمات پہنچنے دے، نہ انھیں دل میں راہ پانے دے بلکہ اعراض کرے۔ وہ رسول کی تصدیق کرے، نہ تکذیب۔ دوستی رکھے نہ دشمنی۔ وہ فرامین رسول پر سرے سے کان ہی نہ دھرے۔ حق کو ترک کر دے، اسے سیکھے نہ اس پر عمل کرے۔ ان مقامات سے بھاگے جہاں حق کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ایسا کافر کفرِ اعراض کا مرتکب ہے۔

④ کفرِ نفاق: کفرِ نفاق یہ ہے کہ کوئی شخص نبوی تعلیمات کی بظاہر اتباع کرے لیکن دل سے ان کو جھٹلائے اور ان کا انکار کرے۔ یوں وہ ایمان کا مظاہرہ کرے اور دل میں کفر رکھے۔[1]

---

[1] نفاق کی دو قسمیں ہیں: نفاق اعتقاد اور نفاق عمل۔ نفاق اعتقاد یا نفاق اکبر یہ ہے کہ دل میں کفر ہو جبکہ زبان اور کام کرنے والے اعضائے بدن سے ایمان کا مظاہرہ ہو۔ اس نفاق کا مرتکب جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوگا، جیسے وہ شخص جو ساری یا بعض تعلیمات الٰہی کو جھٹلائے یا وہ رسول کو جھٹلائے یا نبوی تعلیمات کو جھٹلائے یا وہ دین نبوی کی نصرت وحمایت کو ناپسند کرے یا اسی طرح کے دیگر کافرانہ فعل کا ارتکاب کرے۔ نفاق عمل یا نفاق اصغر کے مرتکب شخص کے اعمال تعلیمات شریعت کے خلاف ہوتے ہیں۔ ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، مثلاً: کوئی شخص جھوٹ بولے۔ وعدہ خلافی کرے۔ امانت ««

⑤ کفرِ شک: کفرِ شک کے مرتکب کو یہ یقین نہیں ہوتا کہ نبی سچا ہے یا جھوٹا۔ اسے شک ہوتا ہے۔ وہ متردد ہوتا ہے کہ نبی کی بات مانے یا نہ مانے۔ آدمی سے مطلوب تو یہی ہے کہ وہ رسول کی لائی ہوئی تعلیمات کے متعلق یقین کرے کہ وہ بلاشبہ حق ہیں لیکن جو شخص نبوی تعلیمات کی اتباع کے بارے میں تردد کا شکار ہو یا وہ یہ سمجھے کہ حقیقت نبوی تعلیمات کے برخلاف ہوسکتی ہے، ایسا شخص کفرِ شک میں مبتلا ہے۔ کفر کی یہ اقسام اس بات کو واجب ٹھہراتی ہیں کہ ان میں سے کسی کا مرتکب اگر اسی اعتقاد کے ساتھ مرجائے تو وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے اور اس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ ﴾

”بے شک اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا اور مشرکین، جہنم کی آگ میں ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہی لوگ مخلوق میں بدترین ہیں۔“[1]

اور فرمایا: ﴿ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ ﴾

”اگر آپ نے شرک کیا تو یقیناً آپ کے اعمال ضرور ضائع ہوجائیں گے اور یقیناً آپ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔“[2]

دوسری قسم، کفرِ اصغر: کفرِ اصغر آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا۔ شارع نے

»» میں خیانت کرے۔ جھگڑے میں گالی بکے اور بدگوئی کرے۔ معاہدے کی خلاف ورزی کرے۔

① البینۃ 98:6. ② الزمر 39:65.



بعض کبیرہ گناہوں پر بطورِ زجرو توبیخ اس کفر کا اطلاق کیا ہے کیونکہ ایسے کبیرہ گناہ کفر کی خصلتیں ہیں۔ ان کا مرتکب وعید کا مستحق ہے لیکن اسے ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کی سزا نہیں ملے گی۔ اس کی مثالوں میں مسلمان سے قتال کرنا، غیر اللہ کی قسم کھانا، کسی کو خاندان کا طعنہ دینا، میت پر نوحہ کرنا، ایک مومن کا اپنے مومن بھائی کو کافر کہنا اور دیگر کبیرہ گناہ شامل ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا﴾

''اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان کے درمیان صلح کرا دو۔''[1]

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ»

''مسلمان کو گالی دینا فسق (راہِ حق سے انحراف) اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔''[2]

اور فرمایا: «لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ»

''میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''[3]

اور فرمایا: «مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ، أَوْ أَشْرَكَ»

''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔''[4]

ایک اور موقع پر فرمایا:

---

[1] الحجرات 49:9. [2] صحيح البخاري، الإيمان، حديث: 48. [3] صحيح البخاري، العلم، حديث: 121. [4] جامع الترمذي، النذور والأيمان، حديث: 1535.

«اِثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ، اَلطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ»

''لوگوں میں دو باتیں ایسی ہیں جو ان کے لیے کفر ہیں، خاندان (نسب) کا طعنہ دینا اور میت پر نوحہ کرنا۔''[1]



[1] صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 67.

وعدہ وعید کی نصوص (صریح عبارتوں) پر ایمان

عقیدۂ سلف صالحین، اہل سنت والجماعت کا ایک اہم اصول کتاب وسنت میں وارد وعدہ و وعید کی نصوص پر ایمان لانا ہے۔ اہل سنت والجماعت ان نصوص پر ایمان لاتے اور جس طرح وہ آئی ہیں، انھیں بیان کرتے ہیں۔ وہ ان کی تاویل کے درپے نہیں ہوتے۔ وہ وعدہ و وعید کی نصوص کو فیصلہ کن قرار دیتے ہیں۔ جیسے یہ آیت ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا﴾

''بے شک اللہ (یہ گناہ) نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور وہ اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دے گا اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو یقیناً اس نے بہت بڑا گناہ گھڑا۔'' [1]

اہل سنت والجماعت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ بندوں کی عاقبت معلوم نہیں۔ کوئی آدمی کسی آدمی کے انجام کے بارے میں نہیں جانتا، تاہم جو شخص کفر اکبر کا اظہار کرے،

---

[1] النسآء 48:4.

اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا اور اس سے کافر کے طور پر معاملہ کیا جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ، وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ، فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ، وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ»

''ایک شخص زندگی بھر بظاہر اہل جنت کے سے اعمال سرانجام دیتا ہے، حالانکہ وہ جہنمی ہوتا ہے اور ایک آدمی بظاہر اہل دوزخ کے سے اعمال کرتا ہے، حالانکہ وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے۔''[1]

آپ نے ایک اور موقع پر فرمایا:

«إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا»

''ایک آدمی اہل جنت کے اعمال کے مطابق عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر تقدیر کا لکھا اس پر

---

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2898، وصحيح مسلم، الإيمان، حديث: 112.



غالب آ جاتا ہے تو وہ اہل جہنم کے اعمال کے مطابق عمل کرتا ہے یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے اور ایک آدمی اہل جہنم کے اعمال کے مطابق اعمال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر تقدیر کا لکھا ہوا اس پر غالب آ جاتا ہے تو وہ اہل جنت کے اعمال کے مطابق عمل کرتا ہے اور جنت میں چلا جاتا ہے۔'' [1]

لیکن مومنین اور متقین میں سے جو اسلام پر وفات پاتا ہے، اہل سنت والجماعت اس کے ظاہر اسلام کو دیکھتے ہوئے یہ عمومی شہادت دیتے ہیں کہ ایسے لوگ ان شاء اللہ اہل جنت میں سے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾

''اور ان لوگوں کو خوشخبری دے دیجیے جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کیے، یقیناً ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔'' [2]

اور فرمایا:

﴿ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ ﴾

''بلاشبہ متقین باغات اور نہروں میں ہوں گے۔ حقیقی عزت کی جگہ میں، ہر طرح کی قدرت والے بادشاہ کے نزدیک۔'' [3]

---

[1] صحیح مسلم، القدر، حدیث: 2643. [2] البقرۃ 25:2. [3] القمر 54:54، 55.

نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، دَخَلَ الْجَنَّةَ»

''جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ وہ جانتا تھا، اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ جنت میں گیا۔''[1]

اہل سنت والجماعت یہ بھی شہادت دیتے ہیں کہ کفار، مشرکین اور منافقین اہل جہنم میں سے ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

''اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''[2]

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ﴾

''بے شک اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا اور مشرکین، جہنم کی آگ میں ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہی لوگ مخلوق میں بدترین ہیں۔''[3]

اور فرمایا: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾

''بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں جائیں گے۔''[4]

اہل سنت والجماعت یہ بھی شہادت دیتے ہیں کہ عشرہ مبشرہ جنتی ہیں جیسا کہ نبی

---

[1] صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 26. [2] البقرۃ 39:2. [3] البینۃ 6:98. [4] النسآء 145:4.



کریم ﷺ نے ان کے متعلق یہ شہادت دی تھی۔ آپ ﷺ نے جس کے متعلق یہ شہادت دی کہ وہ جنتی ہے، اہل سنت والجماعت بھی اس کے متعلق یہی شہادت دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

«أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ، وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ، وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ، وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ، وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ، وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ، وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ فِي الْجَنَّةِ، وَسَعِيدُ ابْنُ زَيْدٍ فِي الْجَنَّةِ، وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ»

''ابوبکر جنتی ہیں، عمر جنتی ہیں، عثمان جنتی ہیں، علی جنتی ہیں، طلحہ جنتی ہیں، زبیر جنتی ہیں، عبدالرحمان بن عوف جنتی ہیں، سعد بن ابی وقاص جنتی ہیں، سعید بن زید جنتی ہیں اور ابوعبیدہ بن جراح جنتی ہیں۔'' رضی اللہ عنہم [1]

صحابہ کرام کی بڑی تعداد کے لیے روایات میں جنت کی بشارت آئی ہے۔ ان میں عکاشہ بن محصن، عبداللہ بن سلام، آل یاسر، بلال بن رباح، جعفر بن ابی طالب، عمرو بن ثابت، زید بن حارثہ، عبداللہ بن رواحہ، سیدہ فاطمہ بنت رسول ﷺ، سیدہ خدیجہ بنت خویلد، سیدہ عائشہ، سیدہ صفیہ، سیدہ حفصہ اور دیگر تمام ازواج مطہرات شامل ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔

جن افراد کے بارے میں روایات میں یہ آیا ہے کہ وہ جہنمی ہیں، ہم بھی ان کے متعلق یہی شہادت دیتے ہیں کہ وہ جہنمی ہیں۔ ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کے

[1] جامع الترمذي، المناقب، حديث: 3747.

متعلق نصوص میں آتا ہے کہ یہ دونوں جہنمی ہیں۔

اہل سنت والجماعت کسی کو، خواہ وہ کوئی بھی ہو، یقینی طور پر جنتی یا جہنمی نہیں کہتے، سوائے ان افراد کے جن کے متعلق رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ یقینی طور پر جنتی یا جہنمی ہیں، تاہم اہل سنت والجماعت نیک اعمال کرنے والوں کے لیے رحمت کی امید رکھتے اور بدکار کے لیے نقصان کا اندیشہ رکھتے ہیں۔[1]

اہل سنت والجماعت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جنت کسی کے لیے واجب نہیں اگرچہ وہ نیکوکار ہو، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پر فضل و کرم کرے اور اسے اپنی رحمت سے جنت میں داخل کر دے۔ فرمایا:

﴿ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾

''اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک صاف نہ ہوتا لیکن اللہ جسے پاک کرنا چاہے کر دیتا ہے اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔''[2]

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] یہی وجہ ہے کہ جو شخص مقتول ہو یا وفات پا جائے، اس پر شہید ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا کیونکہ نیت کا حال صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس سلسلے میں صحیح طرز عمل یہ ہے کہ یوں کہا جائے: ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے شہادت کے رتبے کی دعا کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ان شاء اللہ شہید ہے اور ہم اللہ کی بارگاہ میں کسی کو پاکیزہ قرار نہیں دیتے، چنانچہ دعائیہ الفاظ استعمال کرنے چاہئیں نہ کہ یقینی اور قطعیت کے الفاظ کیونکہ یقینی طور پر ایسا کہنا، اللہ کے بارے میں وہ بات کہنا ہے جس کا ہمیں علم نہیں۔ [2] النور 21:24.



«مَا مِنْ أَحَدٍ يُدْخِلُهُ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ. فَقِيلَ: وَلَا أَنْتَ؟ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: وَلَا أَنَا، إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي رَبِّي بِرَحْمَةٍ»

''کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جسے اس کا عمل جنت میں لے جائے۔'' عرض کیا گیا کہ آپ بھی نہیں؟ اللہ کے رسول! فرمایا: ''میں بھی نہیں الا یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔''[1]

اہل سنت والجماعت کسی ایسے شخص کے لیے عذاب کو لازم نہیں سمجھتے جس کا گناہ کفر کے زمرے تک نہ پہنچے۔ ایسا شخص اگر نیکی کی راہ اختیار کر کے نیک اعمال کرے یا توبہ کرلے یا مصائب وآلام اور ایسے امراض میں مبتلا ہوجائے جو اس کے گناہوں کو مٹادیں تو بھی اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف بھی کر دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾

''آپ کہہ دیجیے: (اللہ فرماتا ہے:) اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کی ہے! تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ سب کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے، یقیناً وہی خوب بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[2]

اور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ، وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيقِ

[1] صحيح مسلم، صفات المنافقين، حديث: 2816. [2] الزمر 53:39.

فَأَخَّرَهُ، فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ، فَغَفَرَ لَهُ»

''ایک دن ایک آدمی جا رہا تھا، چلتے چلتے راستے میں اس نے ایک کانٹوں بھری ٹہنی دیکھی تو اسے راستے سے ہٹا دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوا اور اسے بخش دیا۔''[1]

اہل سنت والجماعت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہر مخلوق کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ ہر جاندار کو اللہ کے حکم کے تحت اس کے لکھے ہوئے مقررہ وقت کے مطابق موت آئے گی۔ جب اس کی اجل آئے گی تو ایک لمحے کی تاخیر ہوگی، نہ تقدیم۔ اگر کوئی ذی روح مرتا ہے یا قتل ہوتا ہے تو یہ سانحہ صرف اس لیے رُونما ہوتا ہے کہ اس کا وقت پورا ہوگیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا﴾

''اور کوئی جاندار اللہ کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتا، اس نے موت کا مقررہ وقت لکھا ہوا ہے۔''[2]

اہل سنت والجماعت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جنت کا جو وعدہ کیا ہے اور اہل توحید میں سے گناہ گاروں کو عذاب دینے اور کفار و منافقین کو جہنم میں جھونکنے کی جو وعیدیں سنائی ہیں، وہ حق اور سچ ہیں۔ فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

---

[1] صحيح البخاري، الأذان، حديث: 652، وصحيح مسلم، الإمارة، حديث: 1914. [2] آل عمران 145:3.



الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ۝﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ہم جلد انھیں ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون قول و قرار میں سچا ہے؟''[1]

لیکن انجام کار اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نافرمان موحدین کو معاف فرما دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا دیگر لوگوں کے علاوہ توحید پرستوں سے یہ وعدہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ﴾

''بے شک اللہ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور وہ اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دیتا ہے۔''[2]

اہل سنت والجماعت کے نزدیک جو اصولِ دین ثابت ہیں، ان میں سے چوتھے اصول ''وعدہ و وعید کی نصوص پر ایمان'' سے متعلقہ تصریحات اختتام کو پہنچیں۔ اب پانچویں اصول ''دوستی اور دشمنی'' سے متعلقہ تفصیلات پیش خدمت ہیں۔

---

[1] النسآء 122:4۔ [2] النسآء 48:4۔

دوستی اور دشمنی

عقیدۂ سلف صالحین، اہل سنت والجماعت کا ایک ضروری اصول ہے «اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰه» اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے نفرت۔ محبت سے مراد ہے، اہل ایمان سے محبت اور ان سے دوستی جبکہ نفرت سے مراد ہے، کفار اور مشرکین سے نفرت، ان سے اظہارِ براءت اور اعلانِ لاتعلقی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾

''مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔''[1]

اور فرمایا:

﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ

[1] التوبة 9:71.



ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ﴾

''اہل ایمان، مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو ہرگز دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا تو اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔'' ①

اہل سنت والجماعت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ دوستی اور دشمنی شریعت کا ایک اہم اصول ہے۔ درج ذیل وجوہ اس اصول کی اہمیت اجاگر کرتی ہیں:

① یہ اصول شہادت لا الٰہ الا اللہ کا ایک جز ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کے معنی ہیں، ہر اس شے سے بے زاری کرنا جس کی پوجا اللہ کے سوا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾

''اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔'' ②

② یہ سلسلۂ ایمان کی مضبوط ترین کڑی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَوْثَقُ عُرَى الْإِيمَانِ: اَلْمُوَالَاةُ فِي اللّٰهِ وَالْمُعَادَاةُ فِي اللّٰهِ، وَالْحُبُّ فِي اللّٰهِ، وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ»

''ایمان کی مضبوط ترین کڑی ہے، اللہ کے لیے دوستی اور اللہ کے لیے دشمنی، اللہ ہی کے لیے محبت اور اللہ ہی کے لیے نفرت۔'' ③

③ اسی لیے دل، ایمان کی حلاوت اور یقین کی لذت سے آشنا ہوتا ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

① آل عمران 3:28. ② النحل 16:36. ③ المعجم الكبير للطبراني: 11/172، رقم الحديث: 11537، وسلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني، حديث: 1728.

«ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ: مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَمَنْ أَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ، وَمَنْ يَكْرَهُ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ»

''جس شخص میں تین باتیں موجود ہوں، اس نے ایمان کی حلاوت کو پالیا۔ جسے اللہ اور اس کا رسول ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہوں اور جو شخص کسی اللہ کے بندے سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے اور جسے کفر میں واپس جانا جبکہ اللہ نے اسے اس سے نجات دلا دی، اس طرح ناپسند ہو جس طرح اسے یہ ناپسند ہے کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے۔''[1]

④ یہ عقیدہ اپنانے سے ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ، وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ، وَأَعْطٰى لِلّٰهِ، وَمَنَعَ لِلّٰهِ، فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ»

''جس نے اللہ کے لیے محبت کی، اللہ کے لیے نفرت کی، اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے نہ دیا اس نے ایمان مکمل کر لیا۔''[2]

⑤ یہ عقیدہ اپنانا اس لیے بھی ضروری ہے کہ جو شخص غیر اللہ سے اور اس کے مذہب سے محبت کرے گا اور اللہ سے، اس کے دین اور اہل اللہ سے نفرت کرے گا تو وہ کافر

[1] صحيح البخاري، الإيمان، حديث: 21، وصحيح مسلم، الإيمان، حديث: 43. [2] سنن أبي داود، السنة، حديث: 4681.



ہے اور سراسر اللہ کا انکاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۗ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾

"(اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا میں اس اللہ کے سوا اور معبود بنا لوں؟ جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے اور وہ (سب کو) کھلاتا ہے اور اسے نہیں کھلایا جاتا، کہہ دیجیے: بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں وہ پہلا شخص ہو جاؤں جو اسلام لایا اور آپ ہرگز مشرکوں میں شامل نہ ہونا۔"[1]

⑥ مسلم معاشرہ اسی عقیدے کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»

"تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی بات پسند کرے جو وہ خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"[2]

اہل سنت والجماعت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ دوستی اور دشمنی کے اس اصول پر قائم ہونا نہ صرف شرعی طور پر واجب ہے بلکہ یہ شہادتِ لا الٰہ الا اللہ کا لازمہ اور اس کی ایک شرط ہے۔ یہ ایمان وعقیدہ کے اصول میں سے ایک اہم اصول ہے جسے ملحوظِ خاطر رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ اس اصول کی تاکید کے لیے کئی نصوص آئی ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

---

[1] الأنعام 14:6. [2] صحيح البخاري، الإيمان، حديث: 13، وصحيح مسلم، الإيمان، حديث: 45.

﴿قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ﴾

''(اے نبی!) کہہ دیں: اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارا کنبہ قبیلہ اور جو مال تم نے کمائے اور وہ تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو (یہ سب) تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔''[1]

اور فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ﴾

''اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو۔''[2]

اہل سنت والجماعت دوستی اور دشمنی کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسمیں بناتے ہیں:

① وہ لوگ جو مطلق طور پر محبت اور دوستی کے مستحق ہیں: یہ لوگ وہ اہل ایمان ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جنھوں نے دین کے امتیازی نشانات (شعائر) کو اخلاص کے ساتھ قائم رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

① التوبة 24:9، ② الممتحنة 1:60.



﴿ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ۝ وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝ ﴾

''تمھارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ سے اور اس کے رسول سے اور ان لوگوں سے دوستی رکھتا ہے جو ایمان لائے ہیں تو (وہ اللہ کا گروہ ہیں اور) یقیناً اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔''[1]

② وہ لوگ جو ایک طرف سے محبت اور دوستی اور دوسری طرف سے دشمنی اور نفرت کے مستحق ہیں: ان سے مراد وہ مسلمان ہیں جو شرعی فرائض انجام نہیں دیتے اور ایسے حرام افعال واعمال کرتے ہیں جو کفر تک نہ پہنچائیں۔ ایسے افراد کو نصیحت کرنا اور ان کے فعلِ حرام کا انکار کرنا ضروری ہے۔ ان کے جرائم پر خاموشی اختیار کرنا جائز نہیں بلکہ ان کا انکار کرنا چاہیے، انھیں نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا چاہیے۔ ان پر حدیں نافذ کرنی چاہئیں اور سزائیں دینی چاہئیں تاکہ وہ جرائم سے باز آجائیں اور گناہوں سے توبہ کرلیں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ جن کا لقب حمار تھا۔ انھوں نے شراب پی تو انھیں خدمت نبوی میں پیش کیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ بھی یہی طرزِ عمل اختیار کیا۔ بعض صحابہ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیجی تو آپ نے ان سے فرمایا:

---

① المآئدۃ 5:55، 56.

«لَا تَلْعَنُوْهُ، فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ، إِنَّهُ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ»

''اس پر لعنت مت بھیجو، اللہ کی قسم! میرے علم کے مطابق یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔'' [1]

اس کے باوجود آپ نے اس پر حد نافذ کی تھی۔

③ وہ لوگ جو مطلق طور پر دشمنی و نفرت کے مستحق ہیں: ان میں وہ لوگ شامل ہیں جو مشرک اور کافر ہیں، چاہے وہ یہودی ہوں، عیسائی ہوں، مجوسی ہوں، ملحد ہوں یا بت پرست۔ اسی حکم کا اطلاق ان مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے جو کافر بنا دینے والے افعال کا ارتکاب کرتے ہیں، جیسے غیر اللہ سے دعا کرنا، غیر اللہ سے امداد طلب کرنا، غیر اللہ پر توکل کرنا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو یا اللہ کے دین کو گالی دینا، یہ اعتقاد رکھتے ہوئے دین کو دنیا سے الگ کرنا کہ دین عصر حاضر کے تقاضے پورے نہیں کرتا اور دور جدید کے لیے دین مناسب نہیں لیکن اس حکم کا اطلاق ایسے افراد پر اس وقت کیا جائے گا جب ان پر حجت قائم کر دی جائے، لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اس تیسری قسم کے لوگوں سے جہاد کریں، ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیں اور انھیں زمین پر فساد پھیلاتے پھرنے کی اجازت نہ دیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾

''اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے اور ان کا ٹھکانا

[1] صحيح البخاري، الحدود، حديث: 6780.



جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔''[1]

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ﴾

''(اے نبی!) آپ (ایسی) کوئی قوم نہیں پائیں گے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہوں، کہ وہ ان سے دوستی کریں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کا کنبہ قبیلہ۔''[2]

اہل سنت والجماعت یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے لیے محبت اور دوستی کے کچھ حقوق ہیں جنھیں ادا کرنا ضروری ہے۔ وہ حقوق یہ ہیں:

① بلادِ کفر سے بلادِ اسلام کی طرف ہجرت۔ اس سے کمزور لوگ مستثنیٰ ہیں جو شرعی اسباب کی بنا پر ہجرت نہیں کر سکتے۔

② مسلمانوں کی امداد، جان ومال اور زبان سے ان کی اعانت، ان کے غم اور خوشی میں شرکت۔

③ مسلمانوں کے لیے خیر کی وہی بات پسند کرنا جو اپنے لیے پسند ہو۔ ان کے لیے شر کی وہ بات ناپسند کرنا جو اپنے لیے ناپسند ہو۔ ان کا مذاق نہ اڑانا۔ ان سے محبت رکھنا، ان کی مجلسوں میں بیٹھنا اور مشاورت میں شریک ہونا۔

---

[1] التحريم 9:66۔ [2] المجادلة 22:58۔

④ مسلمانوں کے مختلف حقوق کی ادائیگی، مثلاً: بیمار کی عیادت، جنازے کے ساتھ جانا، ان سے نرمی برتنا، ان کے لیے دعا واستغفار کرنا، لین دین میں دیانتداری برتنا انھیں دھوکا نہ دینا، ان کا مال باطل طریقے سے نہ کھانا۔

⑤ مسلمانوں اور مسلمان حکومتوں کی جاسوسی نہ کرنا، ان کے راز دشمن کو نہ پہنچانا، ان کی تکلیف دور کرنا اور باہمی طور پر ان کی صلح کرانا۔

⑥ مسلمانوں کی جماعت، حاکمیت وحکومت سے وابستہ رہنا، ان سے علیحدہ ہو کر جتھا بندی نہ کرنا، نیکی وتقویٰ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں ان سے تعاون کرنا۔

اہل سنت والجماعت یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے لیے نفرت اور دشمنی بھی چند باتوں کا تقاضا کرتی ہے جو حسب ذیل ہیں:

① شرک اور مشرکین، کفر اور کافروں سے نفرت کرنا، دل میں ان سے عداوت رکھنا۔

② کافروں کو قلبی دوست نہ بنانا اور ان سے پوری طرح الگ رہنا، چاہے وہ اپنے ہی عزیز واقارب ہوں۔

③ بلادِ کفر سے ہجرت کرنا، بلاضرورت بلادِ کفر کا سفر نہ کرنا، مجبوراً جانا پڑے تو یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ وہاں شعائر دین پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو۔

④ وہ دینی اور دنیاوی باتیں جو کافروں کے ساتھ مخصوص ہیں، ان میں ان کی مشابہت سے پورا پرہیز اور گریز کرنا۔ دینی باتیں، جیسے ان کے مذہبی شعائر (امتیازی نشانات و اعمال) اور دنیاوی خصوصیات، جو ہماری شریعت میں ممنوع ہیں، جیسے ان کے



کھانے پینے اور لباس پہننے کے ممنوع طریقے اور ان کی دیگر عادات اور وہ باتیں جو مسلمانوں میں عام نہیں۔ ایسی باتوں میں کافروں کی مشابہت دل میں ان کی محبت پیدا کرتی ہے اور دل میں مخفی محبت ان کی مشابہت پر آمادہ کرتی ہے۔ یہ بڑا مہلک رجحان ہے۔ اس سے ہر وقت خبردار رہنا اور بچنا چاہیے۔

⑤ کافروں کی مدد نہ کرنا، ان کی تعریف نہ کرنا، مسلمانوں کے خلاف انھیں مدد نہ دینا، ان کی مدد نہ لینا الا یہ کہ ضرورت پڑے اور انھی جیسے کافروں کے خلاف مدد لینی مقصود ہو۔

کافروں کی طرف مائل نہ ہونا، ان کی صحبت میں بیٹھنے سے گریز کرنا، انھیں اپنا رازدان نہ بنانا اور اہم امور کی ذمے داری نہ سونپنا۔

⑥ کافروں کی خوشی کی تقریبات اور ان کے تہواروں میں شریک نہ ہونا، انھیں اس موقع پر مبارکباد نہ دینا۔ ان کی تعظیم نہ کرنا، انھیں تعظیمی القاب آپ، جناب اور حضور کہہ کر مخاطب نہ کرنا۔

⑦ ان کے لیے استغفار نہ کرنا، ان کے لیے دعائے رحمت نہ کرنا۔

⑧ کافروں کے سامنے دین کے معاملے میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار نہ کرنا، اس سلسلے میں ان کی چاپلوسی سے گریز کرنا۔ ان سے اظہار تعلق نہ کرنا۔ ان سے نرمی کا برتاؤ نہ کرنا۔

⑨ کافروں کو کسی معاملے میں ثالث نہ بنانا، کسی بات میں ان کی پیروی نہ کرنا کیونکہ ان کی پیروی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو ترک کرنے کے مترادف ہے۔

⑩ کافروں کو السلام علیکم کہنے میں پہل نہ کرنا۔

اہل سنت والجماعت جن اصولِ دین کو باور کرتے ہیں، ان میں پانچویں اصول ''دوستی اور دشمنی'' سے متعلقہ تفصیلات تمام ہوئیں۔ اب چھٹے اصول ''کراماتِ اولیاء کی تصدیق'' سے متعلقہ تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔



کراماتِ اولیاء کی تصدیق

عقیدۂ سلف صالحین، اہل سنت والجماعت کا ایک اہم اصول ہے، کراماتِ اولیاء کی تصدیق۔[1] کرامت وہ خرق عادت (خلاف معمول) بات ہے جسے اللہ تعالیٰ بعض

[1] کرامت وہ خرق عادت (خلاف معمول) بات ہے جو دعوائے نبوت کے ساتھ منسلک نہیں ہوتی، نہ یہ نبوت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندگانِ صالح کے ہاتھوں پر، ان کی عزت افزائی کے لیے، جاری کر دیتا ہے۔ اللہ کے یہ نیک بندے احکام شریعت کے پابند ہوتے ہیں۔ کرامت اگر صحیح ایمان اور عملِ صالح کے ساتھ مربوط نہ ہو تو یہ پھر استدراج (اللہ کی طرف سے ڈھیل ملنے اور فوری گرفت نہ ہونے والی بات) ہے۔

اگلی امتوں میں بھی کرامات ظہور میں آتی تھیں جیسا کہ سورۂ کہف اور دیگر سورتوں میں بتایا گیا ہے۔ اس امت کے اولین ادوار میں صحابۂ کرام اور ان کے تابعین کے ہاتھوں کرامات ظاہر ہوتی تھیں۔ احادیث صحیحہ کی بیشتر کتابوں میں ایسی بہت سی کرامات سے متعلقہ کئی روایات ملتی ہیں جنھیں ہزاروں ثقہ علماء نے دیکھا اور روایت کیا۔ کرامات کا یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا، یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

اولیاء کے ہاتھوں کرامات کا ظہور دراصل انبیائے کرام کا معجزہ ہے کیونکہ ولی کی کرامت اتباعِ نبی کی برکت سے ظہور میں آتی ہے۔ کرامت کا ظہور از روئے عقل درست ہے اور یہ عقلاً محال نہیں۔

بعض دفعہ اللہ تعالیٰ، بندۂ مومن کے لیے علم کے نت نئے آفاق کھولتا ہے جو اس کے لیے دیگر مادی »

بندگانِ صالح کے ہاتھوں، ان کی عزت افزائی کے لیے، جاری کر دیتا ہے۔

یہ امر کتاب وسنت کے دلائل سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ۝ لَهُمُ ٱلْبُشْرَىٰ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَٰتِ ٱللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ۝ ﴾

"آگاہ رہو! بے شک اولیاء اللہ پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے، (یعنی) وہ لوگ جو ایمان لائے اور (اللہ سے) ڈرتے رہے۔ ان کے لیے دنیاوی زندگی میں خوشخبری ہے اور آخرت میں (بھی)، اللہ کی باتوں میں تبدیلی

»» کرامات سے بڑھ کر ایک کرامت ہوتی ہے۔ ہم نے بارہا ایسی کرامات کے بارے میں سنا اور پڑھا ہے۔ وہ کرامت جن کی تصریح ہمارے اسلاف نے کی، ان میں کتاب وسنت پر مضبوطی سے قائم رہنا (استقامت اختیار کرنا)، کتاب وسنت کے فیصلوں پر سر تسلیم خم کرنا اور علم وعمل کی توفیق پانا شامل ہیں۔

اگر کسی مسلمان کے ہاتھ پر کرامت ظاہر نہیں ہوتی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا ایمان کمزور ہے کیونکہ کرامت بعض وجوہ کی بنا پر ظاہر ہوتی ہے، ان وجوہ میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ جس آدمی کے ہاتھ پر کرامت ظاہر ہوتی ہے، اس کے ایمان کو مضبوط کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابہ نے کرامت جیسی کوئی شے نہیں دیکھی کیونکہ ان کا ایمان قوی اور یقین کامل تھا۔ کرامت ظاہر ہونے کی ایک وجہ دشمن (کافروں) پر حجت قائم کرنا بھی ہے۔

عقلی اعتبار سے کرامت کے دائرۂ کار کو محدود نہیں کیا جا سکتا، ہاں، بعض شرعی ضوابط ایسے ہیں جو کرامت کے دائرۂ کار کو متعین کرتے ہیں۔ کرامت کی چند شرطیں یہ ہیں: کرامت کسی حکم شرعی اور کسی دینی قاعدے کے منافی نہ ہو۔ کرامت زندہ آدمی کے ہاتھ ہی پر ظاہر ہوئی ہو اور ضرورت کے مطابق ظاہر ہوئی ہو۔ اگر ان میں سے ایک بھی شرط نہ پائی جائے تو پھر وہ کرامت نہیں۔ وہ یا تو خیال ہے یا وہم ہے یا شیطان کا وسوسہ۔ ««



نہیں ہوتی، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''[1]

▪▪ کرامت سے نہ تو کوئی شرعی حکم ثابت ہوتا ہے، نہ کسی شرعی حکم کی اس سے نفی ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شرعی احکام کے مآخذ معلوم ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ۔ کرامت جب کسی مسلمان کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ کی اس عطا پر اس کا شکر ادا کرے۔ وہ اللہ سے ثابت قدمی کی دعا کرے اور یہ دعا کرے کہ اگر کرامت اس کے لیے ابتلا و آزمائش ہے تو اللہ اس کے فتنے سے محفوظ رکھے۔ اسے چاہیے کہ وہ کرامت کے معاملے کو راز میں رکھے۔ لوگوں کے روبرو اظہار و اعلان کر کے فخر و غرور کا ذریعہ نہ بنائے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو ہلاکت کے گڑھے میں جا گرے گا۔ اللہ جانے کتنے لوگ ہیں کہ جب شیطان نے انھیں اس طریقے سے بہکایا تو ان کی دنیا و آخرت تباہ و برباد ہوئی اور یہ بات ان کے لیے وبال بن گئی۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی بیشتر آیات میں اولیاء کی صفات بیان کی ہیں جو سورۂ فرقان کی آیات 63۔74 میں یکجا ہوگئی ہیں۔ یہی صفات کئی احادیث میں بھی بیان ہوئی ہیں جن میں سے مثال کے طور پر بعض صفات یہ ہیں: اولیاء اللہ ایمان کے چھ ارکان پر کامل ایمان رکھتے ہیں۔ وہ تقویٰ اختیار کرتے ہیں جس کے معنی ہیں، اللہ کا خوف رکھنا، سنت نبوی پر عمل پیرا ہونا، آخرت کے لیے تیاری، اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے نفرت۔ اولیاء کی زیارت کرنے سے اللہ یاد آتا ہے۔ وہ زمین پر نرمی اور عاجزی سے چلتے ہیں۔ جب جاہل انھیں مخاطب کرتے ہیں تو بھی وہ درست بات کہہ (کر آگے چل) دیتے ہیں۔ وہ رات کو اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اکثر یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ انھیں عذاب جہنم سے محفوظ رکھے۔ وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ کنجوسی۔ وہ اللہ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے۔ وہ ناحق قتل نہیں کرتے۔ وہ زنا نہیں کرتے۔ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ کسی لغو شے سے ان کا گزر ہو تو شرافت سے گزر جاتے ہیں اور جب انھیں (نصیحت کے لیے) ان کے رب کی آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے بہرے ہو کر ان پر نہیں گرتے۔ ان کی دعا یہ ہوتی ہے: ''اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقین کا امام بنا دے۔''

[1] یونس 10:62-64.

ایک حدیث قدسی کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ قَالَ مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ»

''اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: جو شخص میرے کسی ولی سے عداوت رکھتا ہے، میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔''[1]

تاہم اہل سنت والجماعت کے نزدیک کرامات کی تصدیق کے کچھ شرعی ضابطے ہیں جن کی تکمیل کے بغیر کسی کرامت کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ ہر وہ بات جو خرقِ عادت (خلاف معمول) ہو، کرامت نہیں ہوتی۔ بعض دفعہ وہ استدراج (اللہ کی طرف سے ڈھیل ملنا، فوری گرفت نہ ہونا) ہوتا ہے یا اس میں شعبدہ گری، جادو اور شیطانی کارستانیوں کا عمل دخل ہوتا ہے جن کا کرامت سے کوئی تعلق نہیں۔ کرامت اور شعبدہ گری میں بہت واضح فرق ہے۔ کرامت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے اور اس کی وجہ ہے اطاعت رب اور اطاعت رسول ﷺ۔ یہ اہل استقامت کے ساتھ خاص ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ۚ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ﴾

''اور (اب) ان کے لیے کون سی وجہ ہے کہ اللہ انھیں عذاب نہ دے جبکہ وہ (لوگوں کو) مسجد حرام سے روکتے ہیں، حالانکہ وہ اس کے متولی نہیں ہیں، اس کے متولی تو متقی لوگ ہی ہیں۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6502. [2] الأنفال 8:34.



شعبدہ گری شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اور اس کی وجہ ہے کافرانہ افعال اور معصیت کاریاں۔ یہ گمراہوں کے ساتھ خاص ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَإِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ إِلَىٰٓ أَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَإِنْ أَطَعْتُمُوْهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾

''اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے ذہنوں میں شبہے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو بلاشبہ تم بھی ضرور مشرک ہو جاؤ گے۔''[1]

اہل سنت والجماعت اس بات کو سچ مانتے ہیں کہ دنیا میں جادو اور جادوگر پائے جاتے ہیں۔[2]

---

[1] الأنعام 6:121. [2] امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے لکھا: ''جادوگر ہیں، منتر اور کلام ہے۔ وہ کلام کیا جاتا ہے یا اسے لکھا جاتا ہے یا ایسا عمل کیا جاتا ہے جو مسحور (جادو کا شکار ہونے والے شخص) کے بدن، اس کے قلب یا اس کی عقل پر دور سے اثر انداز ہوتا ہے۔ جادو کا وجود ہے۔ ایک جادو تو ایسا ہوتا ہے جو مسحور کو مار ڈالتا ہے۔ ایک جادو اسے بیمار کر دیتا ہے۔ ایک جادو ایسا ہوتا ہے جو مرد کو اپنی بیوی کی قربت سے روک دیتا ہے۔ ایک جادو مرد کو اس کی بیوی سے الگ کر دیتا ہے، میاں بیوی ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جادو کے اثر سے دو افراد آپس میں بہت محبت کرنے لگتے ہیں۔'' یہ بات امام شافعی رحمہ اللہ نے کہی ہے۔ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے مزید لکھا ہے: جادو سیکھنا سکھانا حرام ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس بارے میں اہل علم میں کوئی اختلاف ہے۔ ہمارے اصحاب کا کہنا ہے کہ جادوگر کافر ہے، چاہے وہ جادو کو جائز سمجھے یا حرام اور جادو کی اگر کوئی حقیقت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس سے پناہ مانگنے کا حکم نہ دیتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ أَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ ﴾ ''پھر جب تمام جادوگر آ گئے۔''[1]

اور فرمایا: ﴿ وَجَآءُو بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ﴾ ''اور وہ بہت بڑا جادو لائے تھے۔''[2]

اور فرمایا: ﴿ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ ﴾

''لیکن شیطانوں نے کفر کیا تھا کہ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔''[3]

تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے، تب ہی جادوگر جادو سے کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو وہ کسی کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا، چنانچہ ارشاد ہوا:

﴿ وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ ﴾

''اور وہ اس (جادو) سے اللہ کے حکم کے سوا کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے اور لوگ ان سے وہ علم سیکھتے تھے جو انھیں نقصان پہنچاتا تھا، انھیں کوئی نفع نہیں دیتا تھا۔''[4]

اس لحاظ سے جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ جادو اللہ کے اذن کے بغیر نفع یا نقصان

﴿ ... فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ﴾ ''اور سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور انھوں نے اس کی پیروی کی جو بابل میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا، وہ دونوں (فرشتے) جادو سکھانے سے پہلے کہہ دیتے تھے: ہم تو صرف آزمائش ہیں، لہٰذا تو کفر نہ کر، پھر لوگ ان دونوں سے وہ جادو سیکھتے جس کے ذریعے سے وہ شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈالتے تھے۔'' (البقرة 2:102، دیکھیے: المغني 8:150، 151) [1] یونس 10:80. [2] الأعراف 7:116. [3] البقرة 2:102. [4] البقرة 2:102.



دیتا ہے اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔ جو شخص جادو کو جائز سمجھتا ہے وہ واجب القتل ہے کیونکہ اس امر پر مسلمانوں کا اجماع (اتفاقِ رائے) ہے کہ جادو حرام ہے۔ جادو گر سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا۔ اگر وہ توبہ کرے تو ٹھیک ورنہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔

عقیدۂ اہل سنت والجماعت کا ایک اصول صالح خواب کی تصدیق ہے۔ صالح خواب نبوت کا حصہ ہے۔ صلحا کی سچی فراست بھی حقیقت ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿إِنِّىٓ أَرَىٰ فِى ٱلْمَنَامِ أَنِّىٓ أَذْبَحُكَ فَٱنظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَٰٓأَبَتِ ٱفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِىٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلصَّٰبِرِينَ ۝﴾

''بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ بے شک میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو دیکھ! تیری کیا رائے ہے؟ اس (بیٹے) نے کہا: اے میرے ابا جان! جو آپ کو (جو) حکم دیا گیا ہے (اس کی تعمیل) کر گزریں، اگر اللہ نے چاہا تو آپ ضرور مجھے صبر کرنیوالوں میں سے پائیں گے۔''①

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ» ''نبوت میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہا سوائے خوشخبریوں کے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ خوشخبریاں کیا ہیں؟ فرمایا: «الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ» ''صالح خواب۔''②

اہل سنت والجماعت یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیاطین جنات پیدا کیے جو بنی آدم کے دل میں وسوسہ ڈالتے، نقصان پہنچانے کی غرض سے ان کی تاک میں رہتے اور انھیں باؤلا کر دیتے ہیں۔ فرمایا:

① الصّٰفّٰت 102:37. ② صحيح البخاري، التعبير، حديث:6990.

﴿ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾

''اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے ذہنوں میں شبہے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو بلاشبہ تم بھی ضرور مشرک ہو جاؤ گے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کسی حکمت کی بنا پر شیاطین جنات کو جس بندے پر چاہتا ہے، مسلط کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ ﴾

''اور ان میں سے جن پر بھی تیرا بس چل سکے انھیں اپنی آواز سے بہکا لے اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا اور مال اور اولاد میں ان کا شریک بن جا اور انھیں (جھوٹے) وعدے دے، اور شیطان تو انھیں بس فریب ہی کا وعدہ دیتا ہے۔''[2]

اور اللہ تعالیٰ، شیاطین کی چالوں اور ان کے مکر و فریب سے جسے چاہتا ہے، محفوظ رکھتا ہے۔ فرمایا:

﴿ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ ﴾

---

[1] الأنعام 6:121، [2] بني إسرآئيل 17:64.



﴿إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُم بِهِ مُشْرِكُونَ﴾

”بے شک ان لوگوں پر اس کا کوئی زور نہیں (چلتا) جو ایمان لائے اور اپنے رب پر وہ توکل کرتے ہیں۔ بس اس کا زور تو ان لوگوں پر چلتا ہے جو اسے دوست بناتے ہیں اور ان پر جو اس (اللہ) کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔“[1]

اہل سنت والجماعت جن اصول دین کو تسلیم کرتے ہیں، ان میں سے چھٹے اصول ”کرامات اولیاء کی تصدیق“ سے متعلقہ تصریحات پوری ہوئیں۔ اب ساتویں اصول، ”احکام و مسائل اخذ کرنے کے ذرائع اور طریق استدلال“ کی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔ طریق استدلال سے مراد یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کتاب و سنت کی کسی عبارت سے کوئی حکم اخذ کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔



---

① النحل16:99،100.

احکام ومسائل اخذ کرنے کے ذرائع اور طریق استدلال

سلف صالحین، اہل سنت والجماعت کے نزدیک احکام و مسائل اخذ کرنے اور استدلال کا طریقہ کتاب وسنت کا کامل اتباع ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ۝﴾

''اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے اپنے معاملے میں ان کا کوئی اختیار (باقی) رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہ ہو گیا۔'' [1]

اور ارشاد نبوی ہے:

«تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ

[1] الأحزاب 36:33.



وَسُنَّةَ رَسُولِهِ»

''میں نے تم میں دو باتیں چھوڑی ہیں۔ جب تک تم ان دونوں کو تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے، کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ۔''[1]

اہل سنت والجماعت یہ نہیں کہتے: کتاب اللہ، پھر سنت رسول ﷺ بلکہ وہ کہتے ہیں: کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ۔ وہ ان دونوں کا ذکر ایک ساتھ کرتے ہیں کیونکہ سنت رسول ﷺ، کتاب اللہ سے مربوط ہے، اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے اطاعت اللہ و رسول ﷺ فرض قرار دی ہے۔ سنت یہ بتاتی ہے کہ اس فرض کی تعمیل کیسے کی جائے۔ وہ اس فرض کی تفصیلات بیان کرتی ہے۔

کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے بعد اہل سنت و الجماعت بالعموم مہاجرین و انصار کے منہاج پر اور بالخصوص خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے منہاج پر چلتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے خاص طور پر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے اتباع کی وصیت فرمائی تھی۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اہل سنت والجماعت فضیلت یافتہ اولین ادوار سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی پیروی کرتے ہیں۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي، وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا، وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»

''میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر قائم رہنا۔ اسے

[1] الموطأ للإمام مالك، حديث: 1395.



تھام لینا اور ڈاڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ لینا۔ دین میں نئی باتوں سے بچ کر رہنا کیونکہ ہر نئی بات بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''[1]

باہمی اختلاف کی صورت میں اہل سنت والجماعت کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے رجوع کرتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے یہی دو سرچشمے ان کا مرجع علم ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝﴾

''پھر اگر تم باہم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہت بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔''[2]

فہم کتاب وسنت کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت جن کی طرف رجوع کرتے ہیں وہ صحابۂ کرام ہیں۔ کوئی قیاس، کسی کا ذوق، کسی کا کشف اور کسی شیخ یا امام کا کوئی قول کتاب اللہ کی کسی آیت یا کسی صحیح اور ثابت سنت کے مقابلے میں نہیں لایا جاسکتا کیونکہ دین رسول اکرم ﷺ کی مبارک زندگی ہی میں مکمل ہوگیا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر

---

[1] سنن أبي داود، السنة، حديث: 4607. [2] النسآء 4:59.



دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔''[1]

اہل سنت والجماعت کسی کے کلام کو کلام اللہ اور کلام رسول سے مقدم نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُقَدِّمُوا۟ بَيْنَ يَدَىِ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ ﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور تم اللہ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔''[2]

وہ جانتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے پہل کرنا، اللہ پر جانے بغیر جھوٹ باندھنا ہے جو شیطان کا دھوکا ہے۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک عقل صریح ہمیشہ نقل صحیح کے موافق ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ عقل سلیم کبھی بھی صحیح اور ثابت روایات کے خلاف نہیں ہوتی۔ کسی اشکال کے پیش آنے پر وہ نقل صحیح کو مقدم کرتے ہیں۔ اس بات میں کوئی اشکال اس لیے نہیں کہ نقل صحیح کے ذریعے سے ایسی کوئی بات ہم تک نہیں پہنچی جسے ماننا عقل کے لیے مشکل ہے۔ ہاں ایسی باتیں نقل صحیح کے ذریعے سے ضرور آئی ہیں جو عقل کو حیران کر دیں، تاہم عقل ان تمام باتوں کی تصدیق کرتی ہے جو نقل صحیح کے ذریعے سے آئی ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ نقل صحیح بھی ان تمام باتوں کی تصدیق کرے جو عقل میں آئیں۔

اہل سنت والجماعت عقل کی اہمیت گھٹاتے نہیں کیونکہ عقل ہی آدمی کو مکلف بنائے

---

[1] المآئدة 3:5. [2] الحجرات 1:49.



جانے کی وجہ ہے، تاہم وہ یہ کہتے ہیں: عقل، شریعت سے مقدم نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ کے بندوں کو انبیاء و مرسلین کی ضرورت نہ ہوتی۔ عقل اپنے دائرۂ کار میں رہ کر کام کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوی ہدایت کی اتباع، اس پر مضبوطی سے کاربند رہنے اور اسے مکمل طور پر تسلیم کرنے کی بدولت وہ اہل سنت کہلائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ ۚ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴾

''پھر اگر وہ آپ کی بات قبول نہ کریں تو جان لیجیے کہ وہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوسکتا ہے جو اللہ کی طرف سے ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرے۔ بلاشبہ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (1)

کتاب وسنت کے بعد اہل سنت والجماعت علمائے امت کے اجماع (اتفاقِ رائے) کو بطورِ دلیل لیتے اور اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي -أَوْ قَالَ: أُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ- عَلَى ضَلَالَةٍ، وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ شَذَّ شَذَّ إِلَى النَّارِ»

''اللہ تعالیٰ میری امت (یا فرمایا: امت محمد ﷺ) کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا۔ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو شخص علیحدہ ہوا وہ جہنم کی طرف علیحدہ ہوا۔'' (2)

(1) القصص 50:28. (2) جامع الترمذي، الفتن، حديث: 2167.



یوں اس امت کو ناحق اور گمراہی پر اکٹھا ہونے سے محفوظ رکھا گیا ہے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ یہ امت ترکِ حق پر اکٹھی ہو جائے۔

اہل سنت والجماعت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی انسان معصوم عن الخطا نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کسی پیچیدہ معاملے کے سلسلے میں بقدر ضرورت اجتہاد کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ کسی شخص کی ذاتی رائے اور اجتہاد کے لیے تعصب نہیں برتتے اور اس کے پرجوش حامی نہیں ہوتے جب تک اس کی رائے کتاب و سنت کے مطابق نہ ہو۔ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مجتہد کی رائے صحیح بھی ہوتی ہے اور اس سے غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ اگر اس کی رائے صحیح ہے تو اس کے لیے دو اجر ہیں، ایک اجر اجتہاد کا اور ایک صحیح رائے دینے کا، تاہم اگر اس سے غلطی ہو جائے تو اس کے لیے صرف ایک اجر ہے، اجتہاد کا۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک اجتہادی مسائل میں باہمی اختلاف سے نہ تو باہمی عداوت پیدا ہوتی ہے نہ اس سے باہمی ترکِ تعلق لازم آتا ہے بلکہ ایسے مسائل میں اختلاف کے باوجود وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے، ایک دوسرے سے دوستی رکھتے اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔

وہ کسی مسلمان پر یہ لازم نہیں ٹھہراتے کہ وہ کسی خاص فقہی مسلک سے وابستہ ہو، تاہم وہ کسی خاص فقیہ کے مسلک سے وابستہ ہونے میں حرج بھی نہیں سمجھتے جبکہ یہ وابستگی از راہِ اتباع ہو، از راہِ تقلید نہ ہو۔[1]

---

[1] تقلید یہ ہے کہ مکلف کسی حکم شرعی کے معاملے میں ایسے شخص کے مسلک کا التزام کرے جس کی بات ««

ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ دلیل کی بنا پر ایک مسلک کو چھوڑ کر دوسرا مسلک اختیار کرے۔ وہ طالب علم جو ائمہ کے دلائل کا موازنہ کرنے کی صلاحیت

◂◂ بجائے خود حجت نہیں۔ دوسری تعریف: کسی کی بات کو اس کی دلیل جانے بغیر قبول کرنا تقلید ہے۔ ایک اور تعریف: ایسی بات کی طرف رجوع کرنا جس کے کہنے والے کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں۔ مقلد وہ ہے جو کسی شخص کی تقلید، اس کے تمام اقوال و افعال میں، اس کی دلیل جانے بغیر کرے اور اس شخص کے دائرہ اقوال سے باہر نہ ہو، نیز وہ یہ سمجھے کہ اس کے سوا کسی اور شخص کی بات کا حق ہونا ممکن نہیں، چاہے کسی اور کی بات اس کے لیے پایۂ ثبوت کو بھی پہنچتی ہو۔

اہل علم کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ تقلید علم نہیں نہ مقلد کو عالم کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تقلید کی مذمت فرمائی اور بیشتر آیات قرآنی میں اس سے منع کیا۔ فرمایا: ﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس چیز کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کی ہے اور رسول کی طرف (آؤ) تو وہ کہتے ہیں: ہمیں وہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ ہر چند ان کے باپ دادا کچھ نہ جانتے ہوں، نہ وہ ہدایت یافتہ ہوں (تو کیا اس کے باوجود وہ انھی کی پیروی کریں گے)؟'' (المآئدۃ 5:104) علمائے سلف اور ائمہ مجتہدین سبھی نے تقلید سے منع کیا ہے کیونکہ امت کے باہمی اختلافات اور اس کی پس ماندگی کی ایک وجہ تقلید بھی ہے۔ تمام تر بھلائی اور اتحاد و یکانگت، اتباع اور اختلاف کے موقع پر کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنے میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم صحابۂ کرام کو دیکھتے ہیں، وہ تمام مسائل کے سلسلے میں متعین طور پر کسی ایک صحابی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ ائمۂ اربعہ (چاروں امام، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ) کا بھی یہی طرز عمل تھا۔ انھیں اپنی آرا کا کوئی تعصب نہیں تھا۔ حدیث رسول ﷺ سامنے آ جانے پر وہ اپنی رائے سے دستبردار ہو جاتے تھے۔ وہ دوسروں کو بھی دلیل جانے بغیر اندھی تقلید سے منع کرتے تھے، چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مسلک ہے۔'' اور فرمایا: ''کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ہماری بات لے جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ ہم نے وہ بات کہاں سے لی ہے۔'' امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ''میں ◂◂



رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ کسی مسئلہ میں دلیل کی بنا پر ایک امام کے موقف کو چھوڑ کر دوسرے امام کا موقف اختیار کرے اگر وہ سمجھتا ہے کہ اس کی دلیل زیادہ قوی ہے، خواہ کسی دوسرے مسئلے میں دوسرے امام کی دلیل راجح ہو۔ اس کے لیے دلیل جانے بغیر کسی کے قول پر کاربند ہونا جائز نہیں کیونکہ اس طرح وہ مقلد بن جائے گا۔ اختلافی مسائل میں طالب علم کو چاہیے کہ پوری کوشش سے راجح موقف اختیار کرے اور اگر اس کے لیے ترجیح ممکن نہ ہو تو اس کا حکم عام آدمی کا ہوگا، چنانچہ وہ اہل علم سے سوال کرے اور جہاں تک عام آدمی کا تعلق ہے تو اس کا مسلک اس کے مفتی والا ہوتا ہے، تاہم اس پر واجب ہے کہ وہ اہل علم سے کتاب و سنت کے بارے میں سوال کرے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَسْـَٔلُوٓا أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴾

›› انسان ہی ہوں۔ صحیح بات کہتا ہوں، کبھی غلطی بھی کر جاتا ہوں۔ میری آراء کو بغور دیکھو۔ ان میں سے جو رائے کتاب وسنت کے مطابق ہو، اسے لے لو اور جو رائے کتاب وسنت کے مطابق نہ ہو، اسے چھوڑ دو۔" امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: "ہر وہ مسئلہ جس کے بارے میں کوئی حدیث اصحاب حدیث کے نزدیک صحیح ہو اور وہ میرے قول کے خلاف جاتی ہو تو میں اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اپنے اس قول سے رجوع کرتا ہوں۔" امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: "میری تقلید مت کرو، نہ مالک کی تقلید کرو، نہ شافعی کی، نہ اوزاعی کی اور نہ ثوری کی، کسی کی تقلید نہ کرو۔ وہاں سے اخذ کرو جہاں سے انھوں نے اخذ کیا۔"

ائمہ کے بیشتر اقوال اس مضمون سے متعلق ملتے ہیں، اس لیے کہ وہ اس ارشاد باری تعالیٰ کا مفہوم خوب سمجھتے تھے: ﴿ٱتَّبِعُوا۟ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا۟ مِن دُونِهِۦٓ أَوْلِيَآءَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴾ "تم اس (ہدایت) کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری جانب نازل کی گئی ہے اور تم اس کے علاوہ (اور) دوستوں کی پیروی نہ کرو، تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔" (الأعراف 7:3)



ساتواں اصول

''لہٰذا تم اہل ذکر (اہل کتاب) سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔''[1]

اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ دین کی سمجھ بوجھ اس کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی کہ آدمی علم بھی حاصل کرے اور اس کے مطابق عمل بھی کرے۔ جس شخص نے بہت سا علم تو حاصل کر لیا لیکن اس کے مطابق عمل نہ کیا اور سنت نبوی کی پیروی نہ کی، وہ فقیہ نہیں۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک جو اصولِ دین پایۂ ثبوت کو پہنچتے ہیں، ان میں سے ساتویں اصول ''احکام و مسائل اخذ کرنے کے ذرائع اور طریق استدلال'' سے متعلقہ تفصیلات تمام ہوئیں۔ اب اس سلسلے کے آٹھویں اصول ''جائز اُمور میں مسلمان حکمرانوں کی اطاعت'' کے واجب ہونے کے بارے میں متعلقہ تفصیلات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔



[1] النحل 16:43

جائز اُمور میں مسلمان حکمرانوں کی اطاعت واجب ہے

عقیدۂ سلف صالحین، اہل سنت والجماعت کے اصول دین میں سے ایک اصول یہ ہے کہ وہ مسلمان حکمرانوں کی اطاعت واجب سمجھتے ہیں جب تک وہ معصیت (ثابت اور صریح گناہ) کا حکم نہ دیں۔ اگر وہ معصیت کا حکم دیں تو اس معصیت کے بارے میں ان کا کہا ماننا جائز نہیں، تاہم اس کے علاوہ دیگر معاملات میں ان کی اطاعت واجب رہے گی۔ انھوں نے یہ اصول کتاب وسنت کے ان دلائل سے اخذ کیا۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تم باہم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور

آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہت بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔''[1]

اور ارشادِ نبوی ہے:

«مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ، وَمَنْ يُطِعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ يَعْصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي»

''جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جو شخص امیر کی اطاعت کرے، اس نے میری اطاعت کی اور جو شخص امیر کی نافرمانی کرے، اس نے میری نافرمانی کی۔''[2]

آپ ﷺ نے ایک اور موقع پر فرمایا:

«اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ»

''(امیر کی) بات سنو اور مانو، چاہے ایسے حبشی غلام کو تمھارا امیر بنا دیا جائے۔ جس کا سر منقے جیسا ہو۔''[3]

اور فرمایا:

«تَسْمَعُ وَتُطِيعُ لِلْأَمِيرِ، وَإِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ وَأُخِذَ مَالُكَ، فَاسْمَعْ

---

[1] النسآء 4:59. [2] صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2957، وصحيح مسلم، الإمارة، حديث: 1835. [3] صحيح البخاري، الأحكام، حديث: 7142.



وَأَطِعْ»

’’تم امیر کی بات سنو اور مانو، چاہے تمھاری پیٹھ پر مارا جائے اور تمھارا مال ہتھیا لیا جائے، پھر بھی بات سنو اور اطاعت کرو۔‘‘ [1]

اور فرمایا:

«مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ يَخْرُجُ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا، فَمَاتَ عَلَيْهِ، إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً»

’’جسے اپنے امیر کی کوئی بات ناگوار گزرے، وہ اس پر صبر کرے کیونکہ جو شخص (اس کی) عملداری اور اطاعت سے بالشت بھر بھی باہر گیا اور اسی پر مر گیا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔‘‘ [2]

یوں اہل سنت والجماعت کے نزدیک جائز باتوں میں حکمران کی اطاعت عقیدے کا ایک عظیم اصول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ائمۂ سلف نے اسے عقائد کے زمرے میں شامل کیا۔ عقیدہ کی شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہے جس میں اس اصول پر خاطر خواہ روشنی نہیں ڈالی گئی۔ یہ ہر مسلمان کا شرعی فریضہ اور اسلامی ریاست کے سیاسی استحکام اور نظم و ضبط کے لیے شرطِ لازم ہے۔

اہل سنت والجماعت یہ سمجھتے ہیں کہ پنج وقتی نمازوں کے علاوہ جمعہ اور عیدین کی نمازیں بھی حکمرانوں کی اقتدا میں ادا کی جائیں۔ ان کے ساتھ مل کر امر بالمعروف و

---

[1] صحيح مسلم، الإمارة، حديث: 1847. [2] صحيح مسلم، الإمارة، حديث: 1849.

نہی عن المنکر، جہاد اور حج کے فرائض بھی ادا کیے جائیں گے، چاہے وہ نیکوکار ہوں یا فاجر و بدکار۔ ان کے لیے اصلاح اور ثابت قدمی کی دعائیں بھی مانگی جائیں گی [1] اور اگر ان کا ظاہر صحیح ہو تو ان کی خیر خواہی کی جائے گی۔ [2] اگر وہ دینی احکام کی کوئی خلاف ورزی کریں جو واضح اور یقینی کفر نہ ہو تو ان کے خلاف ہتھیار اٹھانا بھی جائز نہیں بلکہ صبر کرنا ضروری ہے کیونکہ نبیٔ کریم ﷺ نے حکم دیا کہ جائز اُمور میں حکمرانوں کی اطاعت کی جائے جب تک کہ وہ کھلے کفر پر نہ اتر آئیں جس کے متعلق

---

[1] حکمرانوں کے لیے اصلاح، ہدایت اور ثابت قدمی کی دعا کرنا سلف صالحین کا طریقہ ہے۔ امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے کہا: ''اگر میرے پاس کوئی دعائے مقبول ہوتی تو میں وہ دعا حکمرانوں کے لیے مانگتا۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم حکمرانوں کے لیے اصلاح کی دعا کریں۔ ہمیں ان کے لیے بددعا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ چاہے وہ ظلم و ستم کریں کیونکہ اگر وہ ظلم و ستم کریں گے تو اس کا وبال انھی پر پڑے گا لیکن اگر وہ سیدھی راہ چلیں گے تو اس کا فائدہ انھیں بھی ہوگا اور مسلمانوں کو بھی۔'' امام حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: ''حکمرانوں کا ظلم و ستم اللہ کا عذاب ہے اور اللہ کے عذاب کا سامنا تلواروں سے نہیں کیا جاتا۔ دعا اور توبہ واستغفار کے ذریعے سے اس سے بچاؤ کیا جاتا ہے بلکہ اللہ کے عذاب کا سامنا جب بھی تلوار سے کیا گیا، عذاب ہی زیادہ کاٹ دار رہا۔'' روایت ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے ایک آدمی کو حجاج بن یوسف کے لیے بددعا کرتے ہوئے دیکھا۔ انھوں نے اس سے فرمایا: ''اللہ تم پر رحم کرے، ایسا مت کرو۔ تمھارے حکمران تمھی میں سے لائے جاتے ہیں۔ ہمیں تو ڈر ہے کہ حجاج کو معزول کر دیا گیا یا وہ وفات پا گیا تو بندر اور خنزیر تمھارے حکمران بن جائیں گے۔'' (آداب الحسن البصري لابن الجوزي، ص: 119)

[2] امام نووی رحمہ اللہ نے کہا: ''مسلمان حکمرانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ امر حق میں ان سے تعاون کیا جائے، اس سلسلے میں ان کی اطاعت کی جائے اور اسی کا انھیں حکم دیا جائے۔ انھیں نہایت نرمی سے نصیحت کی جائے اور جس بات کے بارے میں وہ غفلت برت رہے ہوں، انھیں وہ بات سمجھائی جائے۔'' (شرح صحیح مسلم: 241/2)



تمھارے پاس قطعی دلیل ہو اور یہ کہ فتنوں کے دور میں قتال سے دور رہا جائے، مزید برآں آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ اتحاد و اتفاق قائم ہونے کے بعد جو شخص امت کے مابین انتشار و تفرقہ پھیلانا چاہے اور سیاسی استحکام کے بعد عدمِ استحکام پیدا کرنے کی کوشش کرے، اس سے قتال کیا جائے۔

نبیِ مکرم ﷺ نے فرمایا:

«خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ» قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟ فَقَالَ: «لَا، مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ، وَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ وُلَاتِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُونَهُ فَاكْرَهُوا عَمَلَهُ، وَلَا تَنْزِعُوا يَدًا مِنْ طَاعَةٍ»

''تمھارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔ جو تمھارے لیے دعائے خیر کریں اور تم ان کے لیے دعائے خیر کرو اور تمھارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں، جن پر تم لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔'' عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! کیا ہم تلوار تھام کر ان سے لڑائی نہ کریں؟ فرمایا: ''نہیں، جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے ہیں۔ جب تم اپنے حکمرانوں کا کوئی ایسا عمل دیکھو جسے تم ناپسند کرو تو تم اس عمل ہی کو ناپسند کرو لیکن اس کی اطاعت سے ہاتھ

مت کھینچو۔‘‘[1]

آپ ﷺ نے ایک اور موقع پر فرمایا:

«يُسْتَعْمَلُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ فَتَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ، فَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ بَرِئَ، وَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ سَلِمَ، وَلٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَلَا نُقَاتِلُهُمْ؟ قَالَ: «لَا، مَا صَلَّوْا»

’’تم پر ایسے امیر مقرر کیے جائیں گے جن کی کچھ باتیں تمھیں ٹھیک لگیں گی اور بعض باتیں ناگوار گزریں گی تو جس نے (ان کی بری باتوں کو) ناپسند کیا وہ تو (گناہ سے) بری ہوگیا اور جس نے (ان کی بری باتوں کا) انکار کیا وہ بھی محفوظ ہوگیا لیکن جو راضی ہوا اور اس نے (ان گناہ کی باتوں میں) ان کی پیروی کی (وہ گناہ گار ٹھہرا)۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا ہم ان سے قتال نہ کریں؟ فرمایا: ’’نہیں، جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔‘‘[2]

---

[1] صحیح مسلم، الإمارة، حدیث: 1855. [2] صحیح مسلم، الإمارة، حدیث: 1854، واضح رہے کہ جو شخص تخت خلافت یا حکومت پر بیٹھ گیا، لوگوں نے اس پر اتفاق کر لیا اور اس پر راضی ہوگئے یا اس نے تلوار کے زور سے ان پر غلبہ پایا اور از خود خلیفہ بن گیا، اس کی اطاعت و فرماں برداری واجب اور اس کے خلاف بغاوت حرام ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: ’’جو شخص والیان سلطنت پر تلوار کے زور سے غالب آگیا اور خلیفہ بن گیا اور اسے امیر المومنین کا خطاب دے دیا گیا، پھر کسی ایسے شخص کے لیے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو جائز نہیں، کہ وہ اسے امام مانے بغیر ایک رات بھی گزارے، چاہے وہ خلیفہ بننے والا نیکوکار ہو یا فاجر و بدکار۔‘‘ (الأحکام السلطانیة لأبي یعلٰی، ص: 23)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ’’فقہاء نے اس پر اتفاق کیا کہ جو شخص دوسروں پر غالب آکر از خود ››



جہاں تک تعلق ہے ناجائز اُمور میں حکمرانوں کی اطاعت کا تو یہ جائز نہیں کیونکہ حدیث میں اس طرزِ عمل کی ممانعت آئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

❝ سلطان بن جائے، اس کی بھی اطاعت کرنا اور اس کے ہمراہ جہاد کرنا واجب ہے۔ اس کی اطاعت کرنا اس کے خلاف بغاوت کرنے سے بہتر ہے۔ اس طرح خونریزی کو روکنے اور مصائب (کی آگ) ٹھنڈی کرنے میں مدد ملے گی۔" (فتح الباري: 9/13)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا: ''جس نے بھی کسی صاحبِ سلطہ حکمران کے خلاف بغاوت کی، اس کی اس حرکت کے نتیجے میں جو شر پھیلا وہ اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی خیر سے کہیں زیادہ اور کہیں بڑا تھا۔" (منهاج السنة: 241/2)

تاہم جو حکمران شریعت کی عملداری کو معطل کردے اور شریعت کو چھوڑ کر دوسرے مخالف قوانین کے مطابق فیصلہ کرے، مسلمان اس کے دائرۂ اطاعت سے خارج ہیں۔ ایسے حکمران کے فرامین کی تعمیل لوگوں پر لازم نہیں، اس لیے کہ اس نے امامت کے وہ اعلیٰ مقاصد ضائع کر دیے جن کی تکمیل کے لیے اسے امام (حکمران) بنایا گیا اور وہ اس بات کا مستحق قرار پایا کہ اس کی فرماں برداری کی جائے اور اس کے خلاف بغاوت نہ کی جائے۔ یہ حق اسے اس لیے حاصل ہوا تھا کہ وہ مسلمانوں کی ضروریات پوری کرے، ان کے مسائل حل کرے، دین کی حفاظت اور نشر و اشاعت کا بندوبست کرے، احکامِ شریعت نافذ کرے، اسلامی سرحدوں کا تحفظ یقینی بنائے، اسلام کی دعوت ملنے کے بعد جو شخص اسلام سے دشمنی رکھے، اس کے خلاف جہاد کرے، نیز وہ مسلمانوں سے دوستی اور دشمنانِ اسلام سے دشمنی کرے لیکن اگر وہ دین کا تحفظ نہ کرے، مسلمانوں کی ضروریات پوری نہ کرے تو اسے مسلمانوں پر حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں رہتا۔ اس صورت میں اہلِ حل و عقد پر یہ لازم ہے کہ وہ اسے معزول کر کے ایسے شخص کو مسندِ خلافت و حکومت پر بٹھائیں جو امامت کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کرے۔

اہلِ سنت حکمرانوں کے خلاف بغاوت کو جائز قرار نہیں دیتے، چاہے ان کی حکومت ظلم و ستم پر مبنی ہو اور ان کا اخلاق و کردار برا ہو کیونکہ حکومت کے ظلم و ستم پر مبنی ہونے اور حکمرانوں کے اخلاق و کردار کے برا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انھوں نے دین کو بھی ضائع کر دیا، تاہم اہلِ سنت ایسا حکمران چاہتے ہیں ❝

«اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ، فِي مَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ»

''مسلمان شخص پر سمع وطاعت (یعنی حکمران کی بات سننا اور ماننا) واجب ہے، اس بات کے سلسلے میں جو اسے پسند ہو اور جو ناپسند ہو، جب تک اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے لیکن جب اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ سمع ہے نہ طاعت۔''[1]

نیز فرمایا: «لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»

''اللہ کی معصیت میں اطاعت نہیں ہے، اطاعت تو صرف معروف (اچھے کاموں) میں ہے۔''[2]

حکمران پر یہ لازم ہے کہ وہ رعایا کے بارے میں اللہ سے ڈرے۔ وہ یہ جان لے کہ وہ محض ایک ملازم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے یہ ملازمت دی ہے کہ وہ امت کی دیکھ

«« جو قانون شرع کو عمل میں لائے، اس لیے سلف صالحین کسی ایسی حکومت سے واقف نہیں تھے جو دین کا تحفظ نہ کرے۔ ایسی حکومت ان کے نزدیک حکومت کہلانے کی مستحق نہیں تھی۔ ''حکومت وہی ہے جو دین کو قائم کرے۔ اس کے بعد وہ حکومت اچھی ہو یا بری۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لوگوں کے لیے حکومت ضروری ہے، چاہے وہ حکومت نیکوکار ہو یا بدکار ہو۔'' کسی نے پوچھا: حکومت تو ٹھیک ہے لیکن جو نیکوکار نہیں، وہ کیوں؟ فرمایا: ''اس کے ذریعے سے بھی راستے محفوظ بنائے جاتے ہیں، حدیں قائم کی جاتی ہیں، دشمن سے جہاد کیا جاتا ہے اور مال غنیمت کی تقسیم ہوتی ہے۔'' (منهاج السّنّة لابن تيمية: 1/146)

[1] صحيح البخاري، الأحكام، حديث: 7144، وصحيح مسلم، الإمارة، حديث: 1839.

[2] صحيح مسلم، الإمارة، حديث: 1840.



بھال کرے، اللہ کے دین و شریعت کی خدمت کرے اور مجرموں پر حدود اللہ نافذ کرے، چاہے مجرم کوئی عام آدمی ہو یا خاص۔ حاکم کے لیے ضروری ہے کہ وہ قوی ہو، اللہ کے احکامات نافذ کرنے کے سلسلے میں وہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہ کرے۔ وہ امت کا امین ہو، خیر خواہ ہو۔ وہ ان کے دین کی حفاظت کرے۔ ان کے جان و مال اور عزت آبرو کا تحفظ یقینی بنائے۔ ان کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرے۔ ان کے مابین امن و امان برقرار رکھے۔ ان کے عمل و کردار کو بہتر بنانے کی تگ و دو کرے۔ حاکم کو چاہیے کہ وہ اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہ لے۔ وہ اگر غصے میں آئے تو اللہ کے لیے غصے میں آئے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً، يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ، إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ»

''جس شخص کو اللہ تعالیٰ کسی رعیت کی ذمہ داری سونپے اور وہ جس دن وفات پائے، اس حال میں وفات پائے کہ وہ رعیت کو دھوکا دیتا تھا، اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر جنت کو حرام کر دیتا ہے۔''[1]

اہل سنت والجماعت کے نزدیک ثابت شدہ اصول دین میں سے آٹھویں اصول، جائز امور میں مسلمان حکمرانوں کی اطاعت واجب ہونے کی تفصیلات پوری ہوئیں۔ اب نویں اصول ''صحابہ کرام، اہل بیت اور خلافت کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ'' سے مربوط جزئیات و تفصیلات پیش خدمت ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 142.

صحابۂ کرام، اہل بیت اور خلافت کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ

عقیدۂ سلف صالحین، اہل سنت والجماعت کا ایک نمایاں اصول اصحاب رسول کی محبت اور ان کے بارے میں دل اور زبان کی سلامتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام کا ایمان کامل تھا اور وہ طاعت و جہاد میں دوسروں سے بڑھے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے نبی ﷺ کی ہم نشینی کے لیے پسند کیا تھا۔ انھیں وہ امتیاز حاصل تھا جو ان کے بعد کسی کو حاصل نہیں ہوا، چاہے کوئی کتنا ہی عظیم تھا۔ وہ امتیاز ہے نبی کریم ﷺ کی زیارت اور مصاحبت کا۔

تمام صحابۂ کرام باعتماد، صاحب کردار اور انصاف پرور تھے جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے انھیں قرار دیا۔ وہ اللہ کے برگزیدہ اولیاء اور اس کے بہترین بندے تھے۔ وہ نبی اکرم ﷺ کے بعد اس امت کے سب سے افضل افراد تھے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾



”اور مہاجرین اور انصار میں سے (قبول اسلام میں) سب سے پہلے سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنھوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“[1]

صحابۂ کرام کے ایمان کی مضبوطی اور افضلیت کی گواہی دینا دین کی محکم اساس ہے اور یہ بالکل بدیہی اور خود بخود سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ ان سے محبت کرنا دین و ایمان اور ان سے نفرت کرنا کفر و نفاق ہے۔ اہل سنت والجماعت ان کا ذکر خیر ہی کرتے ہیں، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ کو ان سے محبت تھی اور آپ نے ان سے محبت کرنے کی وصیت بھی فرمائی۔ فرمایا:

«اَللّٰهَ اللّٰهَ فِي أَصْحَابِي لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللّٰهَ، وَمَنْ آذَى اللّٰهَ يُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ»

”میرے اصحاب کے متعلق اللہ سے ڈرنا۔ میرے بعد انھیں (رائے زنی کا) نشانہ مت بنانا۔ جو شخص ان سے محبت کرے گا، وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا اور جو شخص ان سے نفرت کرے گا، وہ مجھ سے نفرت کرے

[1] التوبة 9:100.

گا تو ان سے نفرت کرے گا۔ جس نے انھیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔ جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ کو اذیت دی، اللہ اسے عنقریب پکڑے گا۔'' [1]

ہر وہ شخص جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ پر ایمان لایا اور ایمان پر وفات پائی، وہ آپ کا صحابی ہے۔ چاہے وہ سال بھر آپ کی مصاحبت میں رہا، مہینہ بھر، دن بھر یا گھڑی بھر۔ جن صحابہ نے درخت کے نیچے بیعت کی، ان میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ چودہ سو (1400) سے زیادہ صحابہ تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ مِمَّنْ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ»

''ہر وہ شخص جس نے درخت کے نیچے بیعت کی، جہنم میں نہیں جائے گا۔'' [2]

صحابہ کرام کے درمیان جو اختلافات پیدا ہوئے اور جو تنازعات ان کے مابین اُٹھ کھڑے ہوئے، ان کے بارے میں اہل سنت والجماعت سکوت اختیار کرتے ہیں۔ [3]

---

[1] جامع الترمذي، المناقب، حديث: 3862۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ابوبکر و عمر کی محبت اور ان کی فضیلت سے آگاہی سنت ہے۔'' امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: ''سلف صالحین اپنی اولاد کو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی محبت اس طرح سکھاتے تھے جس طرح وہ انھیں قرآنی سورت سکھاتے تھے۔'' (شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي: 5/416، 422، رقم: 1883، 1889) [2] مسند أحمد: 3/350۔ [3] صحابہ کی اکثریت فتنہ سے دور رہی۔ جب فتنہ کی آگ بھڑکی، صحابہ کرام اس وقت ہزاروں کی تعداد میں تھے لیکن ان میں سے سو (100) افراد بھی فتنہ میں موجود نہیں تھے۔ امام ابن سیرین رحمہ اللہ کی صحیح روایت کے مطابق ایسے صحابہ کی تعداد صرف تیس (30) تھی۔



اور ان کے معاملات کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ ان میں سے جس کا موقف صحیح تھا، ان کے لیے دو اجر ہیں اور جس کا موقف صحیح نہیں تھا، اس کے لیے ایک اجر ہے اور اس کی خطا ان شاء اللہ معاف ہے۔

اہل سنت والجماعت، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو برا نہیں کہتے۔ وہ ان کا اسی انداز میں ذکر خیر کرتے ہیں جس کے وہ حق دار ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ، وَلَا نَصِيفَهُ»

''میرے اصحاب کو برا مت کہو۔ میرے اصحاب کو برا مت کہو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی اگر اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تب بھی وہ ان کے مد یا نصف مد کو بھی نہیں پا سکتا۔''[1]

اہل سنت والجماعت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ تمام صحابۂ کرام اگر کسی معاملے میں اکٹھے ہو جائیں تو اس معاملے کے بارے میں وہ معصوم عن الخطا ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ بطور ایک مجموعہ کے معصوم عن الخطا ہیں، تاہم انفرادی طور پر کوئی صحابی معصوم عن الخطا

[1] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، حديث: 2540، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبیداللہ رحمہ اللہ اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے درمیان کوئی بات ہوگئی۔ عبیداللہ رحمہ اللہ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو انھوں نے (عبیداللہ کے لیے) فرمایا: ''لوہار کو بلاؤ، میں اس کی زبان کاٹ ڈالوں تاکہ اس کے بعد کوئی کسی صحابی رسول کو برا بھلا کہنے کی جسارت نہ کر سکے۔'' (شرح أصول اعتقاد أهل السنة للالكائي: 469/5، رقم: 1932)



نہیں۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک انبیاء و مرسلین معصوم عن الخطا ہیں۔ امت مجموعی طور سے ایک معاملے پر جمع ہو جائے تو معصوم عن الخطا ہے۔ امت کے افراد انفرادی طور پر معصوم عن الخطا نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي عَلٰى ضَلَالَةٍ، وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ»

''بے شک اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔''[1]

اہل سنت والجماعت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ چاروں صحابہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم، نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کے بہترین افراد ہیں۔ یہ اسی ترتیب سے خلفائے راشدین ہیں۔ انھیں جنت کی بشارت دی گئی تھی۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی مدتِ خلافت کو ملا کر خلافتِ نبوت تیس (30) برس انھی خلفاء میں رہی۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْخِلَافَةُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً، ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذٰلِكَ»

''خلافت میری امت میں تیس برس رہے گی، اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔''[2]

اہل سنت والجماعت، خلفائے راشدین کے بعد صحابۂ کرام میں سے باقی چھ مبشر صحابہ کو سب سے افضل سمجھتے ہیں جن میں حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور امین امت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ ان کے بعد اہل بدر سب سے افضل

[1] جامع الترمذي، الفتن، حديث: 2167. [2] جامع الترمذي، الفتن، حديث: 2226.



ہیں۔ اہل بدر کے بعد اہل بیعت رضوان سب سے افضل ہیں۔ ان کے بعد دیگر صحابۂ کرام امت کے سب سے افضل افراد ہیں۔ جو شخص ان سے محبت کرے، ان کے لیے دعا کرے، ان کے حقوق کی پاسداری کرے اور ان کے فضائل کو پہچانے، وہ کامیاب ہے اور جو بدبخت ان سے نفرت کرے اور انھیں گالی دے وہ تباہ و برباد ہونے والوں میں شامل ہے۔

اہل سنت والجماعت اس ارشادِ نبوی پر عمل کرتے ہوئے اہل بیت سے محبت کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«وَأَهْلُ بَيْتِي أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي .....»

"میں اپنے اہل بیت کے متعلق تمھیں اللہ سے ڈراتا ہوں۔ میں اپنے اہل بیت کے متعلق تمھیں اللہ سے ڈراتا ہوں۔" ①

آپ نے ایک اور موقع پر فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وُلْدِ إِسْمَاعِيلَ، وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ، وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ»

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے بنو اسماعیل میں سے کنانہ کا انتخاب کیا۔ کنانہ میں سے قریش کا انتخاب کیا۔ قریش میں سے بنو ہاشم کا انتخاب کیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب کیا۔" ②

① صحيح مسلم، فضائل الصحابة، حديث:2408. ② صحيح مسلم، الفضائل، حديث:2276.

نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات، اہل بیت میں شامل ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے کہ وہ امہات المومنین (اہل ایمان کی مائیں) ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝﴾

''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم متقی و پرہیزگار ہو تو (کسی بھی غیر محرم سے) آہستگی و نرمی سے بات نہ کرو مبادا وہ شخص، جس کے دل میں روگ ہو طمع و لالچ کرنے لگے اور تم سیدھی صاف اچھی بات (سختی سے) کہا کرو اور تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو، اور گزشتہ دورِ جاہلیت کی زیب و زینت کی نمائش کی طرح (اپنی) زیب و زینت کی نمائش نہ کرتی پھرو اور نماز قائم کرو اور زکاۃ دو، اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو، اے اہل بیت! بس اللہ تو چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی دور کردے اور تمھیں بالکل پاک صاف کردے۔'' [1]

امہات المومنین میں حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا، حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ بنت

---

[1] الأحزاب 33:32,33.



ابو امیہ رضی اللہ عنہا، حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا، حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا، حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا شامل ہیں۔

اہل سنت والجماعت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ امہات المومنین ہر طرح کی برائی سے پاک اور مبرا ہیں۔ وہ دنیا و آخرت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں۔ رضی اللہ عنہن اہل سنت والجماعت یہ سمجھتے ہیں کہ ازواجِ مطہرات میں سب سے افضل حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز میں تہمت سے بری قرار دیا تھا، چنانچہ جو شخص ان پر وہ الزام دھرے جس سے اللہ تعالیٰ نے انھیں بری قرار دیا ہے، اس نے کفر کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ»

''عائشہ دوسری عورتوں کے مقابلے میں اسی طرح افضل ہیں جیسے ثرید باقی کھانوں کے مقابلے میں افضل ہے۔'' [1]

اہل سنت و الجماعت نے جو اصول دین مانے ہیں، ان میں سے نویں اصول ''صحابہ کرام اور اہل بیت اور خلافت کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ'' سے متعلقہ تصریحات پوری ہوگئیں۔

اب دسویں اصول ''بدعتی اور ہوا پرست کے بارے میں اہل سنت کا موقف'' سے متعلقہ تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3433، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، حديث: 2431.

ہوا پرست اور بدعتی کے بارے میں اہل سنت کا موقف

عقیدۂ سلف صالحین، اہل سنت والجماعت کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ وہ ہوا پرستوں اور بدعتیوں سے نفرت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دین میں نت نئی باتیں نکالتے اور وہ باتیں دین میں شامل کرتے ہیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ اہل سنت ایسے لوگوں سے محبت نہیں کرتے، نہ ان کی صحبت اختیار کرتے ہیں، نہ ان کی بات سنتے ہیں، نہ ان کی مجلس میں بیٹھتے ہیں، نہ دینی مسائل کے سلسلے میں ان سے بحث کرتے ہیں اور نہ ان سے مناظرہ کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کانوں کو ایسے گمراہوں کی باتیں سننے سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی شر یرانہ باتوں سے لوگوں کو خبردار کیا جائے، امت کو ان کے شر سے محفوظ رہنے کی تلقین کی جائے اور لوگوں کو ان سے نفرت دلائی جائے۔

جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي، إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ، ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ



تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ، يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ، وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ»

"مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کسی امت میں جو بھی نبی مبعوث کیا، اس کی امت میں اس نبی کے حواری اور اصحاب ضرور ہوتے تھے جو اس کی سنت کو لیتے اور اس کے دین کی پیروی کرتے تھے، پھر ان کے بعد ایسے نالائق افراد آتے تھے جو وہ نہیں کرتے تھے جو وہ کہتے تھے اور وہ (کام) کرتے تھے جس کا انہیں حکم نہیں دیا جاتا تھا تو جس نے ایسے لوگوں کے ساتھ ہاتھ سے جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے ان سے زبان کے ساتھ جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے ان سے اپنے دل کے ساتھ جہاد کیا وہ بھی مومن ہے۔ اس کے بعد رائی کا دانہ بھی ایمان کا نہیں ہے۔" [1]

آپ نے مزید فرمایا:

«سَيَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي أُنَاسٌ يُحَدِّثُونَكُمْ مَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ، فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ»

"میری امت کے آخر میں ایسے لوگ ہوں گے جو تم سے وہ حدیثیں بیان

---

[1] صحیح مسلم، الإيمان، حديث: 50.

کریں گے جو نہ تم نے سنی تھیں نہ تمھارے آباء نے، اس لیے خود بھی ان سے دور رہنا اور انھیں بھی اپنے آپ سے دُور رکھنا۔'' [1]

اہل سنت والجماعت کے نزدیک بدعت کی تعریف: بدعت وہ من مانی بات ہے جو نبی ﷺ کے بعد ایجاد کر لی گئی اور دین کی تکمیل کے بعد اس میں نئی بات نکال لی گئی۔ اس سے مراد ہر وہ بات ہے جس کے کرنے کی دلیل کتاب وسنت سے نہیں ملتی۔ دین میں اللہ کا تقرب پانے کے لیے ایجاد کردہ نیا طریقہ جو شریعت کے نام پر گھڑ لیا گیا ہو، بدعت کہلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدعت سنت کے مقابلے میں آتی ہے، تاہم سنت ہدایت ہے اور بدعت گمراہی ہے۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک بدعت کی دو قسمیں ہیں: ایک، بدعتِ شرک و کفر۔ دوسری بدعت معصیت جو کمالِ توحید کے منافی ہے۔ بدعت شرک کا ایک ذریعہ ہے۔ بدعت کا مطلب ہے اللہ کی عبادت اس طریقے سے کرنا جسے اللہ نے شریعت کا حصہ نہیں بنایا۔ ذرائع کا حکم وہی ہے جو مقاصد کا ہے۔ شرک و بدعت کے ذرائع بند کرنے ضروری ہیں کیونکہ دین مکمل ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔'' [2]

---

[1] صحیح مسلم، مقدمۃ، حدیث: 6. [2] المائدۃ 3:5.



ارشادِ نبوی ہے: «مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»

''جس نے ہمارے اس امر (دین) میں وہ بات ایجاد کی جو اس میں سے نہیں، وہ مسترد ہے۔''[1]

اور فرمایا: «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»

''جس نے کوئی عمل ایسا کیا جس پر ہمارا امر نہیں، وہ مسترد ہے۔''[2]

اور فرمایا:

«فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ، وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»

''بلاشبہ بہترین بات کتاب اللہ ہے اور بہترین ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے۔ بدترین امر (دین میں) نیا ایجاد کردہ ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''[3]

اہل سنت والجماعت یہ نہیں سمجھتے کہ بدعت ایک ہی درجے کی ہوتی ہے۔ بدعت کے مراتب مختلف ہیں۔ ایک بدعت اس نوعیت کی ہوتی ہے جو بدعتی کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔ کوئی بدعت کبیرہ گناہ کے برابر ہے۔ بعض بدعتوں کا شمار صغیرہ گناہوں میں ہوتا ہے، تاہم ضلالت (گمراہی) تمام بدعات کا مشترک وصف ہے۔ یوں اہل سنت کے یہاں کلی بدعت، جزئی بدعت کی طرح نہیں، مرکب بدعت غیر مرکب بدعت کی طرح نہیں، حقیقی بدعت، اضافی کی طرح نہیں، نہ ذات میں، نہ

---

[1] صحيح البخاري، الصلح، حديث: 2697، وصحيح مسلم، الأقضية، حديث: 1718.
[2] صحيح مسلم، الأقضية، حديث: 1718. [3] صحيح مسلم، الجمعة، حديث: 867.

حکم میں۔ اسی طرح ہر بدعت کا حکم بھی الگ ہے۔ بعض نوعیت کی بدعت کفر ہے، بعض گناہ (فسق)۔ یوں ہر بدعت کا حکم الگ ہے۔ ہر بدعت کے مرتکب کا حکم بھی الگ ہے۔ بدعت کا جو مرتکب جاہل ہے اور جس نے تاویل کر رکھی ہے، وہ اس مرتکب کی طرح نہیں جو اپنی بدعت کے بارے میں جانتا ہے۔ مجتہد عالم اس عالم کی طرح نہیں جو اپنی بدعت کا داعی اور ہوا (خواہش نفس) کا پیروکار ہے۔ اسی لیے، اہل سنت بدعت کے اس مرتکب سے جو چھپ کر محدود دائرے میں بدعت کا ارتکاب کرتا ہے، وہ سلوک نہیں کرتے جو سلوک وہ بدعت کے اس مرتکب سے کرتے ہیں جو بدعت کا علانیہ ارتکاب کرتا ہے یا وہ مرتکب جو بدعت کا داعی ہے کیونکہ بدعت کا جو مرتکب اس کا داعی بھی ہے، وہ دوسروں کے لیے شدید ضرر رساں ہے۔ اس کی فساد انگیزی سے دوسرے لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں۔ یوں اسے روکنا اور اس کا علانیہ انکار کرنا ضروری ہے۔ وہ بدعت کا علانیہ ارتکاپ کرتا ہے، اس لیے وہ سزا کا مستحق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اہل سنت ہر بدعتی کے متعلق الگ موقف اختیار کرتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت تمام اہل بدعت اور ان کے مقلدین کے لیے دعائے رحم کرتے ہیں اور ان کے لیے ہدایت کی دعا کرتے ہیں۔ وہ ان کے بارے میں امید کرتے ہیں کہ وہ اتباع سنت کی راہ ہدایت پر آئیں گے۔ وہ اہل بدعت کو اتباع سنت کی ترغیب دیتے اور راہ ہدایت سے آگاہ کرتے ہیں تاکہ وہ توبہ کرلیں۔ وہ ان کے ظاہر کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے اور ان کے دل کی باتوں کو اللہ کے حوالے کرتے ہیں، اہل بدعت کے ساتھ یہ معاملہ وہ اس وقت کرتے ہیں



جب ان کی بدعت ایسی ہو جو اپنے مرتکب کو کافر نہ بنائے۔ [1]

ہوا پرستوں اور بدعتیوں کی علامات: ہوا پرستوں اور اہل بدعت کی چند خاص علامتیں ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ علامتیں کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں۔ یہ نشانیاں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ امت ایسے لوگوں سے ہوشیار رہے اور ان کے عمل و کردار سے خبردار ہو کر ان سے دامن بچانے کی کوشش کرے۔ وہ علامتیں یہ ہیں:

مقاصد شریعت سے ناواقفیت	بحث و تکرار، لڑائی جھگڑا
حدیث سے ناواقفیت	متشابہ آیات پر غور و خوض
قرآن سے حدیث کا مقابلہ	شخصیات کی تعظیم میں مبالغہ

[1] اسلام میں جو پہلی بدعت ظاہر ہوئی وہ نماز اور زکاۃ میں فرق کرنے کی بدعت تھی۔ یہ دعوی کیا گیا کہ زکاۃ صرف اللہ کے رسول ﷺ کو ادا کی جاتی تھی، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کو آڑے ہاتھوں لیا، ان سے قتال کیا اور اس سے پہلے کہ ان کا معاملہ زور پکڑ جاتا، ان کا خاتمہ کر دیا۔ اگر آپ انھیں چھوڑ دیتے تو ان کا دعوی ہمیشہ کے لیے دین کا حصہ بن جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی بعض ہلکے درجے کی بدعتوں نے سر اٹھایا تو آپ نے ان کی سرکوبی کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بڑے فتنے نے سر اٹھایا جس کا آغاز خلیفۂ حق کے خلاف مسلح بغاوت سے ہوا اور انجام خلیفۂ حق کے بہیمانہ قتل کی صورت میں ہوا۔ وہیں سے فتنۂ خوارج کی ابتدا ہوئی۔ یہ فتنہ آج تک باقی ہے، پھر بدعتیں یکے بعد دیگرے سامنے آتی رہیں۔ قدریہ، مرجئہ، روافض (رافضی کی جمع) زنادقہ (زندیق کی جمع) پیدا ہوئے۔ باطنی فرقے ظاہر ہوئے۔ جہمیہ سامنے آئے اور صفات باری تعالیٰ کے منکرین نے فتنہ پردازیاں شروع کیں۔ جونہی کوئی بدعت پیدا ہوتی، اہل سنت اس کی سرکوبی کے لیے آگے بڑھتے۔ حق و باطل کی یہ کشاکش آج تک جاری ہے۔ آج بھی کتاب و سنت اور اجماع امت کی مخالف کوئی بات اہل سنت کے سامنے آتی ہے تو وہ اس کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے اور اس کی تردید کرتے ہیں۔

عبادت گزاری میں مبالغہ   ہوا پرستی

اہل سنت کو طرح طرح کے لقب دینا   کافروں کی مشابہت

اصحاب حدیث سے بغض و عداوت رکھنا۔ انھیں معمولی اور حقیر سمجھنا۔

تفرقہ پردازی اور مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی۔

عقل کو نصوص (قرآن وسنت) پر ترجیح دینا۔

اپنے مخالفین کو بغیر دلیل کے کافر قرار دینا۔

اہل حق کے خلاف حکمرانوں کی مدد لینا۔

اہل سنت کے نزدیک اہل بدعت کے بنیادی فرقے چار ہیں: روافض، خوارج، قدریہ اور مرجئہ۔ ان میں سے ہر فرقے کی کئی شاخیں ہیں۔ یوں یہ بہتر (72) فرقوں کی تعداد پوری کرتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا۔

اہل سنت نے بدعتیوں اور ہوا پرستوں کے افکار ونظریات کی ہمیشہ پوری سختی سے تردید کی ہے۔ اس سلسلے میں ائمۂ اہل سنت کے بہت سے اقوال روایات میں آتے ہیں۔ یہاں ہم ان میں سے چند ایک کا ذکر کرتے ہیں:

امام احمد بن سنان قطان رحمہ اللہ نے فرمایا: ''دنیا میں کوئی بدعتی ایسا نہیں جو اہل حدیث سے بغض نہ رکھے۔ آدمی جب بدعتی ہو جاتا ہے تو اس کے دل سے حدیث کی حلاوت کھینچ لی جاتی ہے۔''[1]

امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اہل بدعت کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل روایت

[1] تذكرة الحفاظ لمحمد الذهبي:521/2، رقم:538.



(اصحاب حدیث) کے بارے میں زبان درازی کرتے ہیں۔ زنادقہ (زندیق کی جمع) کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل روایت (اصحاب حدیث) کو ظاہر پرست، قائل تجسیم کہتے ہیں۔ وہ روایات کو معطل کرنا چاہتے ہیں۔

جہمیہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو مشبہہ (صفات باری کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ دینے والے) کہتے ہیں۔ قدریہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو مجبرہ، یعنی انسان کو بے اختیار اور مجبور قرار دینے والا کہتے ہیں۔ مرجئہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو مخالف اور نقصانی کہتے ہیں۔ روافض کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو ناصبی کہتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اہل سنت کو ایک ہی نام یعنی ''اہل سنت'' ہی جچتا اور بجتا ہے۔ اہل سنت پر اہل بدعت کے دیے ہوئے ناموں کا اطلاق محال ہے۔''[1]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو بتایا گیا کہ مکہ میں ابن قتیلہ کے سامنے اصحاب حدیث کا ذکر کیا گیا تو اس نے کہا: اصحاب حدیث برے لوگ ہیں۔ یہ سن کر امام احمد بن حنبل کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: ''زندیق، زندیق، زندیق۔'' یہی بات کہتے کہتے وہ اپنے گھر چلے گئے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے اہل سنت کو ان سب عیبوں سے محفوظ رکھا ہے جو ان سے منسوب کیے گئے۔ وہ تو سنت تاب دار کے ماننے والے، سیرت طیبہ کے پیروکار، سیدھی راہ چلنے والے، حجت قوی کے حامل مقدس افراد ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت کے اتباع کی توفیق بخشی اور یہ شرح صدر عطا کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں اور دل

---

[1] أصل السنة واعتقاد الدين للرازي، [2] معرفة علوم الحديث للحاكم: 5/1، رقم: 4

میں ائمۂ دین اور علمائے امت کی الفت رکھیں۔ جو شخص کسی قوم سے محبت کرتا ہے وہ انھی میں سے ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ»

''آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔''[1]

یوں جو شخص رسول کریم ﷺ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ، علمائے شریعت پہلے تین فضیلت یافتہ ادوار سے تعلق رکھنے والے اہل روایت (اصحاب حدیث) اور ان کے پیروکاروں سے محبت کرتا ہے، وہ بلاشبہ اہل سنت ہے۔[2]

اہل بدعت سے بچنے کے لیے ائمۂ سلف کی وصیتیں: امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو تم سے متشابہات کے متعلق بحث و

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6170، وصحيح مسلم، البر والصلة، حديث: 2640.

[2] **اہل بدعت کی اقتدا میں نماز کا حکم:** اس مسئلے کے سلسلے میں اہل سنت کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے: اصلی کافر اور مرتد کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔ ایسا شخص جس کے حالات کا پتہ نہیں، نہ اس کا عقیدہ معروف ہے، اس کی اقتدا میں نماز نہ پڑھنا بدعت ہے جس کا قائل اسلاف میں سے کوئی نہیں تھا۔ اصل یہ ہے کہ بدعتی کی اقتدا میں نماز نہیں پڑھنی چاہیے تاکہ لوگ اس کی بدعت سے نفرت کریں، تاہم اگر کسی نے بدعتی کی اقتدا میں نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔

اہل بدعت کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کے لیے رحمۃ اللہ علیہ کہنے کا حکم: اصلی کافر، مرتد اور وہ شخص جسے اس کی بدعت کے باعث، حجت قائم کرنے کے بعد، کافر قرار دیا گیا، ان تینوں کی نماز جنازہ پڑھنا اور ان کے لیے رحمۃ اللہ علیہ کہنا جائز نہیں۔ یہ متفقہ بات ہے۔ اگر کوئی معصیت کار یا ایسی بدعت کا مرتکب وفات پائے جو اسے کافر نہ بنائے تو امام اور اس کے اہل علم مقتدیوں کو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہیے تاکہ لوگوں کو اس کی معصیت اور بدعت کے بارے میں انتباہ ہو، تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی بھی شخص اس کی نماز جنازہ نہ پڑھے بلکہ اس کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کے لیے دعا کرنا فرض کفایہ ہے، اس صورت میں کہ وہ کافر نہیں مرا تھا یا ان لوگوں میں سے نہیں تھا جن پر ہمیشہ جہنم میں رہنے کا حکم لگایا جاتا ہے۔



تکرار کریں گے۔ انھیں احادیث کے ذریعے سے قابو کرنا کیونکہ اصحاب حدیث ہی کتاب اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی نے تقدیر کے منکرین کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''جب تم ان سے ملنا تو انھیں بتا دینا کہ ابن عمر ان سے بری ہے اور وہ ابن عمر سے بری ہیں۔'' یعنی ابن عمر سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات انھوں نے تین مرتبہ فرمائی۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: ''دین کے بارے میں بدعتی پر اعتماد مت کرو۔ کسی بات کے بارے میں اس سے مشورہ مت کرو۔ اس کی صحبت میں مت بیٹھو۔ جو شخص بدعتی کی صحبت میں بیٹھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے نتیجے میں اسے اندھے پن سے دوچار کرتا ہے۔'' یعنی اس کا دل اندھا ہو جاتا ہے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ہوا پرست کو توبہ کی توفیق نہیں دیتا۔''

امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے یہ دعا فرمائی: ''اے اللہ! مجھ پر کسی بدعتی کا کوئی احسان نہ ہو کہ میرا دل اس سے محبت کرنے لگے۔''[1]

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''جو شخص کسی بدعتی کی بات سنتا ہے جبکہ وہ اس کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ بدعتی ہے، اس سے عصمت (برائی سے بچنے کی خداداد قوت) چھین لی جاتی ہے اور اسے اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔''[2]

---

[1] ان تمام اقوال کے لیے دیکھیے: شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي: 1/200، 257، 276، 267. [2] البدع والنهي عنها لابن وضاح، ص:245، رقم:220

امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''بدعتی کو بحث نہ کرنے دو، ورنہ وہ تمھارے دلوں میں اپنے فتنے سے شک پیدا کر دے گا۔''[1]

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص نے کوئی بدعت نکالی ہو اور بعدازاں اس نے سنت کی طرف رجوع کر لیا ہو۔''[2]

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ''بدعتیوں کو رشتہ دو، نہ ان سے رشتہ لو، نہ انھیں سلامتی کی دعا دو (سلام مت کہو)۔''[3]

امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو علم کلام کی باتیں کرتے دیکھا تو ان سے فرمایا: ''تم ہمارے پاس بیٹھ کر خیر کی باتیں کرو ورنہ یہاں سے چلے جاؤ۔''[4]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ''مسلمانوں کے کسی معاملے میں ہوا پرستوں اور بدعتیوں کی مدد لینا مناسب نہیں۔ اس میں دین کا بہت نقصان ہے۔''

آپ نے مزید فرمایا: ''بدعتوں سے بچو اور دین کے کسی معاملے میں بدعتیوں سے مشورہ نہ کرو۔''[5]

امام عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ہوا پرستوں میں بدترین لوگ جہمیہ ہیں۔ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آسمان میں کچھ نہیں۔ واللہ! میری رائے یہ ہے کہ نہ ان سے رشتہ داری قائم کی جائے، نہ انھیں وراثت دی جائے۔''[6]

---

[1] البدع والنهي عنها لابن وضاح، ص: 26. [2] أخرجه الدارمي في المقدمة، رقم: 208. [3] المدونة الكبرى للإمام مالك: 84/1. [4] مختصر كتاب الحجة على تارك المحجة لنصر بن إبراهيم المقدسي: 223/1، رقم: 217. [5] مناقب الإمام أحمد لابن الجوزي، ص: 228، 252. [6] كتاب السنة لعبدالله بن الإمام أحمد، ص: 21، رقم: 147.



امام ابوقلابہ بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ہوا پرستوں کی صحبت میں مت بیٹھو۔ اگر تم اس میں داخل نہ بھی ہوئے جس میں وہ داخل ہوئے، تب بھی تم جو کچھ جانتے ہو وہ اس کے متعلق تمھیں شک میں مبتلا کر دیں گے۔''[1]

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا: ''میں جہمی، رافضی اور قدری کی اقتدا میں نماز نہیں پڑھتا۔''[2]

شیخ الاسلام اسماعیل صابونی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اہل بدعت کی علامات صاف نظر آتی ہیں۔ ان کی نمایاں ترین علامت یہ ہے کہ وہ حاملین حدیث سے شدید عداوت رکھتے، انھیں حقیر سمجھتے اور قائل تجسیم (حشویہ)، جاہل، ظاہر پرست اور مشبہہ کے القابات سے پکارتے ہیں۔ وہ احادیث کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ علم سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کے نزدیک علم ان کے تاریک سینے کے وسوسے اور ان کی فاسد عقل کے فکری نتائج ہیں جو شیطان ان کے دل میں ڈالتا ہے۔''[3]

امام شافعی رحمہ اللہ نے بدعتیوں اور ہوا پرستوں کے بارے میں فرمایا: ''اصحابِ کلام کے لیے میرا فیصلہ یہ ہے کہ انھیں درے مارے جائیں، اونٹ پر بٹھا کر لوگوں میں گھمایا جائے اور یہ اعلان کیا جائے کہ جس نے کتاب و سنت کو ترک کیا اور کلام میں مشغول ہوا، اس کی یہی سزا ہے۔''[4]

امام حسین بن مسعود فراء بغوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین اور

---

① الإبانة لابن بطة: 377/1، رقم: 368. ② شرح أصول اعتقاد أهل السنة للالكائي: 431/3، رقم: 1100. ③ شرح عقيدة السلف وأصحاب الحديث للصابوني: 129/1. ④ شرح السنة للإمام البغوي: 218/1.

علمائے سنت کا طرزِ عمل یہی رہا کہ وہ اہل بدعت سے عداوت رکھتے تھے اور ان سے تعلق ترک کر دیتے تھے۔''[1]

امام اسماعیل صابونی رحمہ اللہ نے اپنی گراں قدر کتاب ''عقیدۃ سلف، اصحاب حدیث'' میں اس امر پر اہل سنت کا اتفاق بتایا کہ بدعتیوں سے سختی کے ساتھ نمٹنا اور انھیں ذلیل کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں انھوں نے اہل سنت کے اقوال درج کرنے کے بعد لکھا:

''یہ تمام عبارتیں جو میں نے اس مختصر کتاب میں درج کیں، یہی جمیع اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ اس میں ان کے مابین کوئی اختلاف نہیں بلکہ انھوں نے اس عقیدہ پر اتفاق کیا ہے۔ علاوہ ازیں وہ اس پر بھی متفق ہیں کہ اہل بدعت سے سخت سلوک کرنا چاہیے، انھیں ذلیل و رسوا کرنا چاہیے۔ انھیں اپنے آپ سے دور رکھیے، خود بھی ان سے دور رہیے، ان کی صحبت اختیار نہیں کرنی چاہیے، ان کے ساتھ رہن سہن نہیں رکھنا چاہیے اور اللہ کا تقرب پانے کے لیے ان سے ترکِ تعلق کرنا چاہیے۔

اہل سنت والجماعت نے جن اصول دین پر اطمینان کا اظہار کیا ہے، ان میں سے دسویں اصول ''ہوا پرست اور بدعتی کے متعلق اہل سنت کا موقف'' سے متعلقہ تفصیلات اختتام پذیر ہوئیں۔ اب گیارھویں اصول ''اخلاق و کردار کے حوالے سے اہل سنت کا موقف'' سے متعلقہ تفصیلات پیش خدمت ہیں۔

---

[1] شرح السنة للإمام البغوي:1/227.

اخلاق و کردار کے سلسلے میں اہل سنت کا موقف

اخلاق و کردار کے حوالے سے سلف صالحین، اہل سنت والجماعت کا عقیدہ جن اصولوں پر مبنی ہے، وہ یہ ہیں:

اہل سنت والجماعت نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔[1] وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اسلام کا بہت بڑا نشانِ امتیاز ہے جس کے باعث امت میں خیر باقی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ فریضہ مسلمانوں کی اجتماعیت کے تحفظ کا ضامن ہے۔ امر بالمعروف (نیکی کا حکم دینا) حسب استطاعت واجب ہے۔ مصلحت کا لحاظ اس سلسلے میں رکھا جائے گا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾

[1] برائی کو روکنے کے سلسلے میں چند شرطیں پیش نظر رہنی چاہئیں۔ ① برائی سے روکنے والا ان برائیوں کا علم رکھتا ہو جن سے منع کیا جاتا ہے۔ ② وہ اس بات کا اطمینان کر لے کہ اچھائی کو ترک کیا گیا اور برائی کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ ③ وہ برائی کو برائی سے نہ بدلے۔ ④ اس برائی سے منع کرنے کے نتیجے میں اس سے بڑی برائی جنم نہ لے۔

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"[1]

ارشادِ نبوی ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ»

"تم میں جو شخص برائی دیکھے، اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ اگر وہ استطاعت نہیں رکھتا تو اپنی زبان سے، پھر بھی وہ استطاعت نہیں رکھتا تو اپنے دل سے۔ یہ کمزور ترین ایمان ہے۔"[2]

اہل سنت والجماعت یہ سمجھتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے وقت نرمی سے کام لینا چاہیے، نیز حکمت اور اچھے طرزِ وعظ کے ساتھ راہِ ہدایت پر چلنے کی دعوت دینی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾

"(اے نبی!) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ دعوت دیجیے اور ان سے احسن طریقے سے مناظرہ کیجیے۔"[3]

وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے وقت کسی

---

[1] آل عمران 110:3. [2] صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 49. [3] النحل 125:16.



تکلیف اور اذیت کا سامنا کرنا پڑے تو اس سلسلے میں صبر کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴾

''اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کر اور جو تکلیف تجھے پہنچے اس پر صبر کر، بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''①

اہل سنت والجماعت جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں تو اس دوران میں وہ ایک اور اصولی بات کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ وہ ہے مسلمانوں کی اجتماعیت کو برقرار رکھنا، دلوں کو باہم جوڑ کر رکھنا، مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق قائم رکھنا اختلاف اور تفرقہ پردازی کا قلع قمع کرنا۔

اہل سنت والجماعت ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی کے جذبات رکھتے اور نیکی و تقویٰ کے سلسلے میں تعاون کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:

«اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ» قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: «لِلّٰهِ، وَلِكِتَابِهِ، وَلِرَسُولِهِ، وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ، وَعَامَّتِهِمْ»

''دین خیر خواہی ہے۔'' صحابہ کرام نے عرض کیا: کس کے لیے؟ فرمایا: ''اللہ کے لیے، کتاب اللہ کے لیے، رسول اللہ کے لیے، مسلمانوں کے حکمران اور عوام الناس کے لیے۔''②

① لقمان 31:17. ② صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 55.

اہل سنت والجماعت، اسلامی شعائر کی حفاظت کرتے ہوئے انھیں قائم کرتے ہیں، مثلاً: وہ مسلمان حکمرانوں کی اقتدا میں جمعہ کی نماز قائم کرتے اور پنج وقتی نماز باجماعت کا اہتمام کرتے ہیں۔ وہ ان کے ساتھ حج کرتے ہیں۔ ان کی قیادت میں جہاد کرتے ہیں۔ عیدین کی نماز بھی وہ مسلمان حکمرانوں کی اقتدا میں ادا کرتے ہیں، چاہے وہ حکمران اچھے ہوں یا برے۔ جبکہ اہل بدعت ایسا نہیں کرتے۔ اہل سنت فرض نمازیں جماعت کے ساتھ اول وقت ادا کرتے ہیں اور اس سلسلے میں کوتاہی نہیں برتتے۔ سوائے نماز عشاء کے تمام نمازوں کا اول وقت افضل ہے۔ وہ خشوع و خضوع اور طمانیت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا عمل اس ارشادِ الٰہی کے مطابق ہوتا ہے:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ ﴾

''یقیناً مومن فلاح پاگئے۔ وہ جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔''[1]

اہل سنت والجماعت ایک دوسرے کو نماز تہجد پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں کیونکہ نماز تہجد پڑھنا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو نماز تہجد پڑھنے اور عبادت میں محنت کرنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ رات کو اتنا قیام کرتے تھے کہ آپ کے پیر پھٹ جاتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیے ہیں۔ فرمایا: «أَفَلَا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا؟»

---

[1] المؤمنون 23:1، 2۔



''کیا میں شکر گزار بندہ بننا پسند نہ کروں؟'' [1]

اہل سنت والجماعت آزمائش کے موقع پر ثابت قدم رہتے ہیں۔ آزمائش کے موقع پر وہ صبر کرتے ہیں۔ آزمائش دور ہو جائے تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ وہ تقدیر کی تلخیوں پر راضی برضا رہتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّٰبِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ﴾

''جو لوگ صبر کرنے والے ہیں، انھیں ان کا اجر بے حساب ثواب ملے گا۔'' [2]

ارشادِ نبوی ہے:

«إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ، وَإِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ، فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا، وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السُّخْطُ»

''بڑی آزمائش کے ساتھ ہی بڑی جزا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کچھ لوگوں سے محبت کرتا ہے تو انھیں آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے۔ سو جو شخص راضی ہوا، اس کے لیے رضا ہے اور جو ناراض ہوا، اس کے لیے ناراضی!'' [3]

اہل سنت والجماعت آزمائش کی تمنا نہیں کرتے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے آزمائش نہیں مانگتے کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ وہ آزمائش میں پورے اتر پائیں گے یا نہیں، تاہم جب ان پر آزمائش آتی ہے تو وہ صبر کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ، وَسَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ، فَإِذَا

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4837. [2] الزمر 10:39. [3] جامع الترمذي، الزهد، حديث: 2396.

لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا»

''اے لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا مت کرو اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو۔ تاہم جب ان سے تمھاری مڈبھیڑ ہو جائے تو صبر کرو۔''[1]

اہل سنت والجماعت آزمائش کے موقع پر رحمت الٰہی سے مایوس نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مایوسی کو حرام قرار دیا ہے۔ وہ آزمائش کے دن عنقریب آنے والی آسانی کی امید میں بسر کرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے وعدے پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ مشکل کے ساتھ ہی آسانی بھی ہے۔ وہ آزمائش کی وجہ اپنے اندر تلاش کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو آزمائشیں اور مصیبتیں ان پر آتی ہیں، وہ ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ معصیت کاری اور اتباع کتاب وسنت میں کوتاہی کے باعث آسانی تاخیر سے آتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ﴾

''اور تمھیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمھارے اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے (پہنچتی ہے)۔''[2]

دین کی نصرت کے سلسلے میں اور آزمائش کے موقع پر وہ زمینی وسائل، کائناتی قوانین اور دنیاوی ترغیبات پر اعتماد نہیں کرتے، تاہم وہ ان چیزوں سے غافل بھی نہیں ہوتے۔ اس سے پہلے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے، گناہوں سے توبہ

(1) صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2966، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، حديث: 1742. (2) الشورٰى 30:42.



کرنے، اللہ پر پورا بھروسا کرنے اور آسودہ حالی میں اللہ کا شکر ادا کرنے ہی سے جلدی آسانی نصیب ہوگی اور پریشانی دور ہو جائے گی۔

اہل سنت کفرانِ نعمت کی سزا سے خائف رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر چھوٹی بڑی نعمت پر نہایت اہتمام اور توجہ سے اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ ارشادِ نبوی ہے:

«اُنْظُرُوا إِلٰى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْكُمْ، وَلَا تَنْظُرُوا إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ، فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزْدَرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ»

''اس کی طرف دیکھو جو تم سے نیچا ہے۔ اس کی طرف نہ دیکھو جو تم سے اوپر ہے۔ یہ زیادہ موزوں ہے کہ تم اپنے آپ پر اللہ کی نعمت کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھو۔''[1]

اہل سنت والجماعت اعلیٰ اخلاقی اقدار اور اچھے اعمال اپناتے ہیں۔ جنابِ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: «أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا، أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا»

''مومنوں میں ایمان کے لحاظ سے زیادہ کامل وہ شخص ہے جو ان میں اخلاق کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے۔''[2]

آپ ﷺ نے ایک اور موقع پر فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا»

---

[1] صحيح مسلم، الزهد والرقاق، حديث: 2963، وجامع الترمذي، صفة القيامة، حديث: 2513، واللفظ له. [2] جامع الترمذي، الرضاع، حديث: 1162.

’’تم میں سے مجھے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن میرے زیادہ قریب بیٹھنے والا شخص وہ ہے جو تم میں اخلاق کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے۔‘‘[1]

ایک اور روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:

"مَا مِنْ شَيْءٍ يُوضَعُ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ، وَإِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهِ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ"

’’کوئی ایسی شے جو میزان میں رکھی جائے گی، حسن اخلاق سے زیادہ وزنی نہیں ہوگی۔ حسن اخلاق کا حامل اس کی بدولت، صاحب صوم و صلاۃ کے درجے پر پہنچے گا۔‘‘[2]

سلف صالحین، اہل سنت والجماعت کا اخلاق و کردار: وہ علم و عمل کے سلسلے میں اخلاص اختیار کرتے ہیں اور ریا کا خوف ان پر طاری رہتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ﴾ ’’سنو! خالص بندگی اللہ ہی کے لیے ہے۔‘‘[3]

اللہ کی حرمتوں کی تعظیم اور ان کے بارے میں غیرت مندی، دین و شریعت کی مدد و نصرت، مسلمانوں کی حرمتوں کی تعظیم اور مسلمانوں کی خیر خواہی ان کا امتیازی وصف ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ ۝ ﴾

’’اور جو شخص اللہ کی (عظمت کی) نشانیوں کی تعظیم کرے تو بلاشبہ یہ (عمل) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے۔‘‘[4]

---

[1] جامع الترمذي، البر والصلة، حديث: 2018. [2] جامع الترمذي، البر والصلة، حديث: 2003. [3] الزمر 3:39. [4] الحج 32:22.



نفاق سے اس طرح گریز کہ خیر کے معاملے میں ظاہر و باطن ایک ہو۔ اپنے اعمال کو ہمیشہ ناقص وکمتر سمجھنا۔ اخروی اعمال کو دنیاوی اعمال پر ترجیح دینا۔

رقت قلبی، رحمدلی، یہ سوچ کر بہت رونا کہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی ہو رہی ہے۔ اس سلسلے میں رحمت الٰہی کی امید۔ جنازہ دیکھ کر نہایت عبرت حاصل کرنا۔ موت اور اس کی سختیوں کو یاد کرنا اور سوئے خاتمہ سے اس طرح ڈرنا کہ دل دہل جائے۔

جوں جوں عبادت گزاری بڑھتی جائے، عجز و انکسار بھی بڑھتا چلا جائے۔

کثرتِ توبہ و استغفار، یہ باور کر کے استغفار کرنا کہ عبادت میں یقیناً کمی کوتاہی رہ گئی ہے۔ اپنے اعمال صالحہ پر غرور نہ کرنا۔ اس فکر میں رہنا کہ اعمالِ صالحہ کی شہرت نہ ہو۔

تقویٰ کے بارے میں شدید احتیاط۔ متقی ہونے کا دعویٰ نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کا بہت خوف رکھنا۔

برے خاتمے سے شدید خوف، اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہونا۔ دنیا کو بے قیمت سمجھنا اور اسے ٹھکرانا۔ گھروں کی تعمیر، ضرورت کے مطابق کرنا اور تزئین و آرائش میں نہ پڑنا۔ ارشادِ نبوی ہے:

«وَاللّٰهِ! مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ هٰذِهِ فِي الْيَمِّ، فَلْيَنْظُرْ بِمَ تَرْجِعُ؟»

"واللہ! آخرت کے مقابلے میں دنیا ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈالے، پھر دیکھے کہ وہ کیا لے کر واپس آتی ہے؟"[1]

[1] صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها وأهلها، حديث: 2858.

اہل سنت والجماعت اس خطا کو پسند نہیں کرتے جس کا تعلق دین اور اہل دین سے ہو۔ جس نے وہ بات کہی یا کی ہے، اگر وہ ان افراد میں سے ہو جن کا عذر قبول کیا جا سکتا ہے تو وہ اس کے لیے عذر تلاش کرتے ہیں۔ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔ اس موقع پر جہاں احتیاط لازم ہو، وہ اپنے ضمیر سے شدید بحث و تکرار کرتے ہیں۔ وہ یہ پسند نہیں کرتے کہ کسی مسلمان کا کوئی عیب سامنے آئے۔ وہ دوسروں کے عیبوں سے غافل رہتے اور اپنے عیبوں کو دیکھتے رہتے ہیں۔ وہ دوسروں کے عیب چھپانے کی بہت کوشش کرتے ہیں۔ وہ راز رکھتے ہیں۔ اگر انھیں کسی کے بارے میں کوئی بات سنائی دے تو وہ بات اسے نہیں بتاتے۔ وہ لوگوں سے عداوت نہیں رکھتے۔ وہ رواداری سے کام لیتے ہیں۔ کسی کا برا نہیں چاہتے، اس لیے کہ وہ کسی سے عداوت نہیں رکھتے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ» ''چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔''[1]

روز مرہ کی مجلسوں میں غیبت کا سد باب تاکہ مجلس گناہ کی بیٹھک نہ بنے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا ﴾

''اور تم ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6056. [2] الحجرات 12:49.



کثرتِ حیا، ادب آداب کا خیال، پیار محبت، طمانیت، وقار، کم گوئی، کم ہنسنا، زیادہ تر خاموشی، حکمت سے کلام کرنا تاکہ بات آسانی سے مخاطب کی سمجھ میں آ جائے۔ دنیا کی کسی شے کے حاصل ہونے پر نہ اترانا، یہ اس لیے کہ ان کی عقل، کامل ہوتی ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

«وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا، أَوْ لِيَصْمُتْ»

''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔''[1]

اور آپ نے فرمایا: «مَنْ صَمَتَ نَجَا» ''جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔''[2]

اگر کوئی اذیت دے، زیادتی کرے تو معاف کر دینا ان کا وصف ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

''اور غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں اور اللہ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔''[3]

اس بات سے غفلت نہ برتنا کہ ابلیس لعین محاذ آرا ہے۔ ابلیس لعین کے ہتھکنڈوں کے بارے میں آگاہی حاصل کرنا، وضو، نماز اور دیگر عبادات میں وسوسوں کا شکار نہ ہونا کیونکہ یہ تمام وسوسے شیطان کی طرف سے ہیں۔

کثرتِ صدقہ و خیرات۔ بھائی بندوں، دوست رشتے داروں کے حالات سے

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6018، وصحيح مسلم، الإيمان، حديث: 47. [2] جامع الترمذي، صفة القيامة، حديث: 2501. [3] آل عمران 3:134.

باخبر رہنا تا کہ اگر کسی کی کوئی ضرورت ہو تو اسے پورا کیا جا سکے، مثلاً: اگر کسی کے پاس کھانا نہیں، کپڑے نہیں، ضرورت کا روپیہ نہیں تو اس کی مدد کی جا سکے۔ مال حلال اگر میسر آئے تو اسے ضائع نہ کرنا۔

کنجوسی کی مذمت جود و سخا کی کثرت، روپیہ خرچ کرنا، سفر و حضر میں بھائی بندوں کا خیال رکھنا۔ نصرتِ دین کے سلسلے میں باہمی تعاون کو فروغ دینا۔ بھائیوں میں خوشیاں بانٹنا۔ انھیں اپنے مقابلے میں ترجیح دینا۔

مہمان کی خاطر مدارات بذاتِ خود کرنا، الا یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو۔ مہمان کی جتنی بھی خدمت ہو جائے، وہ یہ نہیں سمجھتے کہ انھوں نے مہمان نوازی کا حق ادا کر دیا۔ وہ کھانے کی دعوت قبول کرتے ہیں الا یہ کہ جس شخص نے دعوت دی، اس کا پیش کردہ کھانا حرام ہو یا پھر دعوت میں صرف امیر لوگوں کو مدعو کیا گیا ہو یا دعوت کی جگہ پر کسی معصیت کا ارتکاب ہو رہا ہو۔

نہ صرف بڑے کے ساتھ بلکہ چھوٹے کے ساتھ بھی ادب سے پیش آنا۔ نہ صرف قریبی کے ساتھ بلکہ دور رہنے والے کے ساتھ بھی ادب سے پیش آنا۔ نہ صرف عالم کے ساتھ بلکہ جاہل کے ساتھ بھی ادب سے پیش آنا۔

باہم صلح صفائی کرانا، یہ خیر کا بہترین باب اور نیکی کا عروج ہے۔ باہمی صلح صفائی سے شیطان کے ان منصوبوں پر پانی پھر جاتا ہے جن کا تعلق مسلمانوں کے بیچ عداوت کا بیج بونے سے ہے۔

حسد سے خود بھی باز رہنا اور دوسروں کو بھی باز رکھنا کیونکہ حسد بغض و عداوت پیدا



کرتا ہے جبکہ یہ خود ایمان کی کمزوری اور دنیا کی محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے یہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ دنیا کا مال و متاع جیسے بھی بن پڑے حاصل کر لیا جائے، حصول کا ذریعہ جائز ہو یا ناجائز، اس سے حاسد کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ماں باپ سے حسن سلوک اور ان سے اچھا برتاؤ کرنا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ حُسْنًا﴾

"اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے نیک سلوک کرنے کی وصیت کی ہے۔"[1]

پڑوسی سے حسن سلوک، لوگوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنا، صلہ رحمی، سلام عام کرنا، فقراء و مساکین، یتیموں اور مسافروں پر رحم کھانا۔

فخر، تکبر، خود پسندی، سرکشی، لوگوں کو ناحق تنگ کرنا، یہ سب باتیں منع ہیں۔ ہر معاملے میں دامن عدل وانصاف تھامے رکھنا۔

مستحباتِ شریعت کو معمولی سمجھ کر ان کے بارے میں کوتاہی نہ برتنا۔ ارشادِ نبوی ہے:

«لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا، وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ»

"نیکی کی کسی بات کو حقیر نہ جانو، چاہے اتنی ہی بات کہ تم اپنے بھائی سے کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ ملو۔"[2]

بدگمانی، جاسوسی اور مسلمانوں کی عیب جوئی منع ہے کیونکہ ان باتوں سے معاشرتی تعلقات خراب ہوتے، بھائیوں میں تفریق پڑتی اور فساد کا بیج پروان چڑھتا ہے۔

اہل سنت اپنی ذات کے لیے غصے میں نہیں آتے کیونکہ وہ فقه الغضب، یعنی غصے کے

---

[1] العنکبوت 8:29. [2] صحیح مسلم، البر والصلة، حدیث: 2626.

احکام اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

"اور غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں اور اللہ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔"[1]



[1] آل عمران 3: 134. منہاج سلف صالحین کی دعوت کا مقصد ایسی نسل کی تیاری ہے جو عمل و کردار کے سلسلے میں اس نسل کے نقشِ قدم پر چلے جس نے رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکات سے تربیت پائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ کی مدح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ نہ صرف یہ ضروری ہے کہ ہمارے عقائد سلف صالحین کے عقائد سے مطابقت رکھتے ہوں بلکہ ہمارا عمل و کردار اور ہماری زندگی کے تمام معاملات ان کی پیروی میں طے ہونے چاہئیں۔ سلف صالحین کا منہاج صرف ایک علم نہیں۔ یہ ایک لائحہ عمل ہے جو ہمارے عقائد، تصورات، عمل و کردار اور اخلاق و عادات کے نقشے ترتیب دیتا ہے۔ بدقسمتی سے دورِ حاضر میں سلف صالحین کے منہاج پر اس پہلو سے توجہ نہیں دی گئی اور اسے مکمل ضابطۂ حیات کے طور پر اخذ نہیں کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: "مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا کہ میں مکارمِ اخلاق (اعلیٰ اخلاقی قدروں) کی تکمیل کروں۔" یوں سلف صالحین نے آپ کی پیروی کی، آپ کے اخلاق کو اپنایا، آپ کے احکام کی تعمیل کی اور اپنے آپ کو قرآن کی اس ہدایت کے مطابق ڈھالا: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ ہمیں بھی اگر کامیابی سے ہمکنار ہونا ہے تو ہمیں بھی اسی راہ پر چلنا ہوگا۔

اتباعِ کتاب وسنت اور بدعتوں سے اجتناب کے متعلق ائمہ اہل سنت کے اقوال

① حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لوگو! علم کو اپناؤ، اس سے پہلے کہ اسے اٹھا لیا جائے۔ سنو! علم کو اٹھایا جاتا ہے اہل علم کے گزر جانے سے۔ بدعتوں سے، بدعت کو اپنانے سے اور شدت پسندی سے بچو اور اپنے دین حنیف پر قائم رہو۔''[1]

② حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہر وہ عبادت جسے اصحاب رسول نے عبادت کے طور پر نہیں اپنایا، تم بھی اسے عبادت کے طور پر مت اپناؤ۔ پہلے آنے والوں نے بعد میں آنے والوں کے لیے کلام کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی، اس لیے اے علماء کے گروہ! جو لوگ تم سے پہلے گزرے، ان کا راستہ اختیار کرو۔''[2]

③ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جو شخص کوئی راستہ اپنانا چاہے، وہ ان لوگوں کا راستہ اپنائے جو گزر گئے۔ وہ حضرت محمد ﷺ کے صحابہ تھے جو امت کے بہترین افراد، سب سے زیادہ نیک دل انسان، سب سے گہرے عالم اور سب سے کم

① البدع والنهي عنها لابن وضاح، ص: 65، رقم: 61. ② الاعتصام للشاطبي: 2/132.

تکلف والے لوگ تھے۔ وہ لوگ جنھیں اللہ نے اپنے نبی کی مصاحبت اور اپنے دین کی نشرواشاعت کے لیے منتخب کیا تھا، اس لیے ان کے اخلاق اور ان کے طریقوں کی مشابہت کرو کیونکہ وہ سیدھے راستے پر قائم تھے۔''[1]

انھی نے فرمایا: ''اتباع کی راہ اپناؤ، بدعت کی نہیں۔ تمھیں بے فکر کر دیا گیا ہے، یعنی نئی باتیں نکال کر دین بنانے کی ضرورت نہیں، بے فکر رہو، وہ پہلے سے بنا دیا گیا ہے۔ بس پرانے دین پر قائم رہو۔''[2]

④ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''جب تک لوگ روایت کے تابع رہیں گے، صحیح راستے پر رہیں گے۔'' اور فرمایا: ''ہر بدعت گمراہی ہے، چاہے لوگ اسے اچھا سمجھیں۔''[3]

⑤ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب تک تم نے روایت کو لیا، تم گمراہ نہیں ہو گے۔''[4]

⑥ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر دین رائے پر ہوتا تو موزوں کے تلے مسح کرنا، ان کے اوپر مسح کرنے کے مقابلے میں زیادہ مناسب ہوتا لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے اوپر مسح کرتے دیکھا۔''[5]

⑦ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''بدعت کو ایجاد کیا جاتا ہے تو اس کا چلن بڑھتا چلا جاتا ہے اور سنت کو (دائرۂ عمل سے) نکالا جاتا ہے تو وہ نکلتی ہی چلی جاتی ہے۔''[6]

---

① شرح السنة للبغوي: 214/1. ② سنن الدارمي، المقدمة، رقم: 205. ③ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي: 134/1، رقم: 111. ④ الإبانة لابن بطة، ص: 246، رقم: 240. ⑤ سنن أبي داود، الطهارة، حديث: 162. ⑥ الإبانة لابن بطة، ص: 241، رقم: 235.

⑧ حضرت عابس بن ربیعہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حجر اسود کے پاس آئے اور اسے بوسہ دیتے ہوئے فرمایا: ''میں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ تم ایک پتھر ہو، نہ نقصان دے سکتے ہو نہ نفع اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمھیں بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تمھیں بوسہ نہ دیتا۔''[1]

⑨ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: ''وہیں توقف کرو جہاں پہلے لوگوں (صحابہ) نے توقف کیا کیونکہ انھیں علم ہے تو انھوں نے توقف کیا اور وہ دور اندیش بصیرت سے رکے۔ وہ ان باتوں کے کھولنے پر زیادہ قادر تھے۔ اگر ان باتوں میں کوئی فضیلت ہوتی تو وہ ان کے زیادہ لائق تھے۔ اگر تم کہو کہ یہ باتیں ان کے بعد پیدا ہوئیں تو یہ باتیں اسی نے پیدا کیں جس نے ان کے طریقے کی خلاف ورزی کی اور ان کی سنت سے بے رغبتی کی۔ انھوں نے دین کی کافی باتیں ہمیں بتائی ہیں۔ اب نہ تو ان سے آگے بڑھنے کی کوئی وجہ ہے نہ پیچھے ہٹنے کی۔ کچھ لوگ ان سے پیچھے ہٹے تو بے تعلق ہوئے، آگے بڑھے تو شدت پسند بنے اور صحابہ ان دونوں انتہاؤں کے مابین سیدھے راستے پر قائم ہیں۔''[2]

⑩ امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''سلف کی روایات پر قائم رہو، چاہے لوگ تمھیں چھوڑ جائیں۔ لوگوں کی آراء سے بچو، چاہے وہ تم سے کتنی ہی چکنی چپڑی باتیں کریں۔ اگر تم سیدھے راستے پر رہو گے تو معاملہ کھل کر سامنے آتا جائے گا۔''[3]

---

[1] صحيح البخاري، الحج، حديث: 1597. [2] لمعة الاعتقاد لابن قدامة: 51/1. [3] شرف أصحاب الحديث للخطيب البغدادي، ص: 7، رقم: 6.

⑪ امام ایوب سختیانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''بدعتی جتنی محنت کرتا ہے، اللہ سے دور ہوتا جاتا ہے۔''[1]

⑫ امام حسان بن عطیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''کوئی قوم دین میں جس قدر بدعت نکالتی ہے اسے اسی قدر سنت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔''[2]

⑬ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا: ''لوگ کہا کرتے تھے: جب تک کوئی روایت پر قائم رہے گا، راستے پر رہے گا۔''[3]

⑭ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ابلیس کو بدعت گناہ سے زیادہ پسند ہے۔ گناہ سے توبہ کر لی جاتی ہے جبکہ بدعت سے توبہ نہیں کی جاتی۔''[4]

⑮ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا: ''تمھیں روایت پر اعتماد ہونا چاہیے۔ رائے اتنی ہی لو جو تفسیرِ حدیث میں تمھاری مدد کرے۔''[5]

⑯ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ہر وہ مسئلہ جس کے سلسلے میں، میں نے سنت کے خلاف بات کی، میں اس سے رجوع کرتا ہوں اپنی زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔''[6]

⑰ ربیع رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک دن ایک حدیث روایت کی۔ ایک آدمی نے ان سے پوچھا: ''ابو عبداللہ! کیا آپ اسے (بطور دلیل) لیتے ہیں؟'' امام شافعی نے جواباً فرمایا: ''جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح حدیث روایت کروں

---

[1] البدع والنهي عنها لابن وضاح، ص: 70، رقم: 66. [2] شرح أصول اعتقاد أهل السنة: 137/1، رقم: 114. [3] شرح أصول اعتقاد أهل السنة: 120/1، رقم: 97. [4] شرح السنة للبغوي: 233/1، رقم: 208. [5] المدخل إلى السنن الكبرى للبيهقي، ص: 180، رقم: 179. [6] أرشيف ملتقى أهل الحديث 1:223/73، رقم: 128 (المكتبة الشاملة).



اور اسے (بطورِ دلیل) نہ لوں تو تمھیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میری مت ماری گئی۔‘‘ [1]

⑱ نوح جامع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا: ’’لوگوں نے اعراض (قائم بالغیر اشیاء) اور اجسام کی جو نئی باتیں نکالی ہیں، ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟‘‘ فرمایا: ’’فلسفیوں کی باتیں ہیں، تم روایت اور طریقۂ سلف پر قائم رہو اور ہر نئی بات سے بچو کیونکہ وہ بدعت ہے۔‘‘ [2]

⑲ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ’’سنت سفینۂ نوح ہے۔ جو اس پر سوار ہوا، نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا، غرق ہوا۔‘‘ [3]

انھی نے فرمایا: ’’کلام اگر کوئی علم ہوتا تو صحابہ و تابعین بھی اس کے بارے میں کلام کرتے جس طرح انھوں نے احکام کے بارے میں کلام کیا تھا لیکن یہ تو باطل ہے اور باطل ہی کا پتہ دیتا ہے۔‘‘ [4]

ابن ماجشون رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ’’جس نے اسلام میں کوئی بدعت نکالی اور اسے اچھا سمجھا، اس نے یہ سمجھا کہ محمد ﷺ نے پیغام رسالت پہنچانے میں خیانت کی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ ’’آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا ہے۔‘‘ (المائدة 5:31) اس لیے جو بات اس روز دین کا حصہ نہیں تھی، وہ آج بھی دین کا حصہ نہیں ہے۔‘‘ [5]

---

① الفقيه والمتفقه للخطيب، ص: 449، رقم: 399. ② ذم الكلام وأهله للهروي: 5/206، 207، رقم: 1006. ③ ذم الكلام وأهله للهروي: 5/81، رقم: 872. ④ شرح السنة للبغوي: 1/217. ⑤ كتاب الاعتصام للشاطبي، ص: 29.

(20) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ہمارے نزدیک اصول سنت یہ ہے کہ اس راہ پر قائم رہنا جس پر صحابہ قائم تھے، ان کی پیروی کرنا اور بدعات کا ترک کرنا کیونکہ یہ بدعت گمراہی ہے۔'' (1)

(21) امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اگر کسی آدمی نے اسلاف کا زمانہ پایا ہو، پھر اسے آج دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے تو اسلام کی کوئی بات اسے دکھائی نہ دے۔'' یہ کہہ کر گال پر ہاتھ رکھا اور کہا: ''سوائے اس نماز کے۔'' پھر فرمایا: ''واللہ! جو شخص اس ناگواری میں جیے جبکہ وہ سلف صالحین کو نہیں پاتا، اس کے لیے یہی بہت ہے کہ وہ کسی بدعتی کو بدعت کی دعوت دیتے یا صاحب دنیا کو دنیا کی دعوت دیتے دیکھے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی دعوت سے محفوظ رکھے اور اس کے دل کو سلف صالحین کا اس طرح مشتاق بنا دے کہ وہ ان کے راستے کا پتہ پوچھتا پھرے، پھر وہ اس راستے پر ان کے نقش قدم پر چلے تاکہ اسے اجر عظیم عطا کیا جائے گا۔ تم ان شاء اللہ ایسا ہی بننے کی کوشش کرو۔'' (2)

(22) عالم باعمل امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ہدایت کی راہوں پر چلو۔ ان راہوں پر چلنے والوں کی قلت تمہارا کچھ نقصان نہیں کرے گی۔ ضلالت کے راستوں سے بچو اور (ان راستوں پر چل کر) تباہ و برباد ہونے والوں کی کثرت تمہیں دھوکے میں مبتلا نہ کرے۔'' (3)

(23) ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک مسئلے کی بابت پوچھا۔ آپ نے

---

(1) شرح أصول اعتقاد أهل السنة للالكائي: 176/1، رقم: 317. (2) البدع والنهي عنها لابن وضاح، ص: 190، رقم: 176. (3) كتاب الاعتصام للإمام الشاطبي، ص: 57.



اسے اس مسئلے کا حل بتایا۔ اس نے کہا: آپ کے والد نے تو اس سے منع کیا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم زیادہ لائق اتباع ہے یا میرے والد کا حکم؟!'' ①

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا شمار ان صحابہ میں ہوتا تھا جو انکارِ بدعت اور اتباعِ سنت کے معاملے میں نہایت سخت تھے۔ ان کی موجودگی میں ایک مرتبہ ایک شخص کو چھینک آئی۔ اس نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ. عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس طرح تو نہیں سکھایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ کہے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ'' ہر حال میں اللہ کا شکر ہے۔'' ②

㉔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس شخص سے جس نے حدیث کے مقابلے میں ابوبکر و عمر کے اقوال پیش کیے تھے، فرمایا: ''قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر پڑیں۔ میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تم کہہ رہے ہو کہ ابوبکر و عمر نے کہا۔'' ③

㉕ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی نے اہل سنت کے بارے میں فرمایا: ''اہل سنت میں سے کسی آدمی کو دیکھنا ہو تو اس شخص کو دیکھو جو سنت کی طرف بلاتا اور بدعت سے منع

---

① زاد المعاد لابن القیم: 195/2. ② جامع الترمذي، حدیث: 2738. ③ بعد البحث في المصادر المعتبرة تبین أنه لا وجود له بهذا اللفظ، وقد أورده شیخ الإسلام في الفتاوی: 20/216، 26/50) والإمام ابن القیم في إعلام الموقعین (2/238) لكن معناه ثابت في الحدیث الذي رواه الإمام أحمد: 337/1، رقم: 3121، وسنده ضعیف أیضًا.

کرتا ہے۔''[1]

(26) امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''جب تمھیں مشرق کے کسی آدمی کے متعلق پتہ چلے کہ وہ صاحب سنت ہے تو اسے سلام بھیجو کیونکہ اہل سنت کم ہو گئے ہیں۔''[2]

(27) امام ایوب سختیانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''مجھے اہل سنت میں سے کسی شخص کے مرنے کی خبر ملتی ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میں نے اپنے بدن کا کوئی حصہ کھو دیا ہے۔''[3]

(28) جعفر بن محمد رحمہ اللہ نے بیان کیا، میں نے (امام) قتیبہ رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''جب تم ایسے شخص کو دیکھو جو (امام) یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ، (امام) عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ، (امام) احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور (امام) اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ جیسے اہل حدیث سے محبت کرتا ہے تو وہ سنت پر قائم ہے اور جو شخص ان حضرات کی مخالفت کرے تو سمجھ لو کہ وہ بدعتی ہے۔''[4]

(29) امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اگر اصحاب محمد (ﷺ) کسی ناخن پر مسح کریں تو میں ان کے اتباع کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے اسے نہیں دھوؤں گا۔''[5]

(30) عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا: ''میرے بھائی! خوب سمجھ لو کہ آج مرنا ہر اس مسلمان کے لیے باعث عزت ہے جو سنت پر قائم رہتے ہوئے اللہ سے ملے۔ إنا للّٰه وإنا إليه راجعون۔ ہم اپنی وحشت، بھائی بندوں کی وفات، مددگاروں کی کمی اور بدعتوں کے ظہور کا شکوہ اللہ ہی سے کرتے ہیں۔ علماء اور اہل سنت کی وفات اور

(1) شرح أصول اعتقاد أهل السنة: 60/1، رقم: 111. (2) شرح أصول اعتقاد أهل السنة: 72/1، رقم: 50. (3) شرح أصول اعتقاد أهل السنة: 66/1، رقم: 29. (4) شرح أصول اعتقاد أهل السنة: 74/1، رقم: 59. (5) الإبانة الكبرى لابن بطة، ص: 269، رقم: 263.



بدعتوں کے ظہور کی جو مصیبت اس امت پر آئی ہے، اس کی شکایت بھی ہم اللہ ہی سے کرتے ہیں۔ [1]

⑪ امام فضیل بن عیاض ؒ نے فرمایا: ''اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کے ذریعے سے اللہ شہروں کو زندگی عطا کرتا ہے۔ وہ ہیں اصحاب سنت۔'' [2]

⑫ امام شافعی ؒ نے اہل سنت کے بارے میں کیا سچی بات کہی، فرمایا: ''جب میں اصحابِ حدیث میں سے کسی صاحب کو دیکھتا ہوں تو گویا میں اصحاب رسول میں سے کسی صاحب کو دیکھتا ہوں۔'' [3]

⑬ امام مالک ؒ نے ایک بات ایسی کہی جو ایک عظیم قاعدے کی حیثیت اختیار کر گئی۔ ان کی بات مذکورہ تمام اقوال کا خلاصہ ہے۔ فرمایا: ''اس امت کے آخری دور کے حالات بھی اسی طرح ٹھیک ہوں گے جس طرح اس امت کے اولین دور کے حالات ٹھیک ہوئے تھے۔ جو بات اس وقت دین کا حصہ نہیں تھی وہ آج بھی دین کا حصہ نہیں بن سکتی۔'' [4]

یہ تھے اتباع سنت کے متعلق ائمہ سلف کے چند مفید اقوال۔ ائمۂ سلف بلاشبہ امت کے خیر خواہ اور اس کا درد رکھتے تھے۔ وہ دیگر لوگوں کی نسبت ان کی اصلاح اور ہدایت کے طریقۂ کار سے زیادہ واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے امت کو سنت کے اپنانے اور بدعت ترک کرنے کی تلقین کی اور یہ بتایا کہ اتباع سنت کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔

---

① البدع والنهي عنها لابن وضاح، ص: 102، رقم: 95. ② شرح أصول اعتقاد أهل السنة: 72/1، رقم: 51. ③ شرف أصحاب الحديث، ص: 104، رقم: 86، والحلية لأبي نعيم، رقم: 13665. ④ الشفا للقاضي عياض: 88/2.

اہل سنت والجماعت وسلف صالحین کے عقیدے کی دعوت دینے کے ضابطے

سلف صالحین کے عقیدے کی طرف دعوت دینے کی تین شرطیں ہیں:

① عقیدے کی درستی: یہ ضروری ہے کہ الوہیت، توحید اسماء وصفات میں دیگر اعتقادی مسائل اور ایمان سے متعلقہ امور میں ہمارا عقیدہ توحید ربوبیت اور توحید سلف صالحین کے عقیدے کے موافق ہو۔

② منہج اور طریقۂ کار کی درستی: مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت کو ان اصول وضوابط کی روشنی میں سمجھا جائے جو سلف صالحین نے وضع کیے ہیں۔

③ عمل کی درستی: یعنی ہم دین میں بدعت سے اجتناب کریں، ریاکاری سے دور رہ کر خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے عمل ہو۔ عمل کا تعلق عقیدے سے ہو، فعل سے ہو یا قول سے ہر حال میں شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ دعوت الی اللہ افضل ترین عمل اور ارفع ترین عبادت ہے۔ یہ نبیوں کا امتیازی وصف ہے۔ اولیاء، صالحین، اتقیاء اور اصفیاء کا نمایاں مشن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دعوت الی اللہ دینے والوں کی شان



میں فرمایا:

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾

''اور اس شخص سے زیادہ اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جس نے (لوگوں کو) اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیے اور کہا: بے شک میں تو فرماں برداروں میں سے ہوں۔'' [1]

اور رسول اکرم ﷺ نے ہمیں لوگوں کو دعوت دینے کا طریقۂ کار بتایا ہے اور اس کی تعلیم دی ہے۔ جو شخص اس راہ پر چلنا چاہے اس کے لیے نبی ﷺ کی سیرت میں بہت زیادہ اسباق چمک رہے ہیں۔

داعیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ عقیدہ سلف صالحین کے لیے دعوت دیتے ہوئے اس میدان میں منہج نبوی کی اتباع کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی ﷺ کی سیرتِ مقدسہ میں دعوت الی اللہ کا بڑا روشن اور صحیح منہج موجود ہے جو لوگوں کے ایجاد کردہ خود ساختہ اور مخالف شریعت دعوتی اسلوب سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

داعیانِ الی اللہ پر فرض ہے کہ وہ حالات و واقعات اور زمان و مکاں کے تناظر میں دعوت الی اللہ کا وہ طریقہ کار اختیار کرے جو سلف صالحین نے کیا تھا۔ میں نے اسی فہم سلیم کی روشنی میں داعیانِ اسلام کے لیے بعض ضابطے اور رہنما اصول یکجا کیے ہیں تاکہ ان کی اصلاح میں مفید ثابت ہوں۔ یہ ضابطے اور اصول درج ذیل ہیں۔

---

[1] حٰمٓ السجدة 33:41.

داعیانِ اسلام کے لیے رہنما اصول

① دعوت الی اللہ دنیا و آخرت میں ذریعۂ نجات ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: ''اگر اللہ تعالیٰ تمھارے ذریعے سے ایک شخص کو ہدایت دے دے تو یہ تمھارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تمھارے لیے سرخ اونٹ ہوں۔''[1]

یاد رہے کہ صرف دعوت دینے سے اجر حاصل ہو جاتا ہے۔ حصولِ اجر کے لیے یہ ضروری نہیں کہ آپ کا مخاطب آپ کی دی ہوئی دعوت قبول کر لے۔ داعی اِلی اللہ سے یہ مطلوب نہیں کہ وہ ہر صورت اسلام کو فتح دلوائے۔ یہ اللہ کا کام ہے اور اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ داعی سے صرف یہ مطلوب ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کے راستے میں خوب جد و جہد کرے اور بس۔ داعی کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ افراد کو تیار کرے۔ مدد کرنا اللہ کا وعدہ ہے۔ دعوت الی اللہ جہاد کی ایک صورت ہے۔ دعوت و جہاد کے مقاصد اور نتائج ایک جیسے ہیں۔

② دعوت الی اللہ کے سلسلے میں اسلاف کے منہاج پر چلنا ضروری ہے جو اہل سنت

---

[1] صحیح البخاري، المغازي، حدیث: 4210، وصحیح مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: 2406.



والجماعت کے منہاج کی صورت میں موجود ہے۔ یہ منہاج معتدل، جامع اور افراط و تفریط سے پاک ہے۔ اس ضمن میں کتاب و سنت کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے جو آدمی کے سینے کو منور کرتا اور اسے مشکلات میں ثابت قدم رکھتا ہے۔

③ مسلمانوں کی جماعت تشکیل دینا اور ان کی صلاحیتوں کو نکتۂ حق پر مرکوز کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں یہ رہنما اصول پیش نظر رہنا چاہیے: ''کلمہ، توحید وحدت امت کی بنیاد ہے۔'' توحیدِ کلمہ سے مراد ہے اتفاق رائے۔ ساتھ ہی ایسی مذموم تنظیم سازی سے بچنا بھی ضروری ہے جو اسلامی جماعتوں کو پارہ پارہ کر دے اور مسلمانوں کے دل ایک دوسرے سے دور کر دے۔ دعوت الی اللہ کے لیے تنظیم سازی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک جماعت تشکیل دی جائے نہ کہ مسلمانوں کی جماعت تشکیل دی جائے۔

④ اس سلسلے میں یہ بھی ضروری ہے کہ تمام تر وفاداری دین سے ہو نہ کہ اشخاص سے کیونکہ دین باقی ہے اور اشخاص فانی ہیں۔ حق کی معرفت حاصل کیجیے۔ اس کے نتیجے میں آپ اہل حق کو بھی پہچان جائیں گے۔

⑤ باہمی تعاون کو فروغ دینا اور اختلاف سے بچنا ضروری ہے۔ اگر اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے باہمی خیر خواہی کی بنیاد پر حل کرنا چاہیے۔

اعتدال پسند اسلامی جماعتوں کے مابین تعلقات کی بنیاد باہمی تعامل اور اتحاد پر استوار ہوتی ہے۔ تعامل سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرتی ہیں۔ اگر باہمی تعلقات کے لیے یہ بنیاد فراہم کرنا ممکن نہ ہو تو باہمی تعاون کی بنیاد پر



تعلقات قائم ہونے چاہئیں۔ یہ بنیاد بھی نہ ہو تو ''جیو اور جینے دو'' کی پالیسی پر عمل کرنا چاہیے۔ یہ بھی نہ ہو تو پھر ایک ہی آپشن بچتا ہے: ''ہلاکت''۔

⑥ آپ جس جماعت سے وابستہ ہیں، اس کی بے جا طرفداری مت کیجیے، اس کے لیے عصبیت کے جذبات دل میں نہ رکھیے۔ جماعت کے باہر اگر کوئی شخص دعوت الی اللہ کے میدان میں نمایاں کارکردگی دکھائے، اگر اس کی جدوجہد احکامِ شریعت کے مطابق اور افراط وتفریط سے پاک ہے تو پھر اس کا خیر مقدم کیجیے۔

⑦ فروعی اختلافات کے سلسلے میں مکالمے کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ دونوں طرف خیرخواہی کے جذبات کو فروغ دینا چاہیے۔ لڑائی جھگڑے سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔

⑧ خود احتسابی اور اس کے نتیجے میں اصلاحِ ذات کا عمل جاری رہنا چاہیے۔

⑨ اختلاف کے آداب سیکھیے۔ مکالمے کے اصول وضوابط کو گہرائی سے سمجھیے۔ ان کی ضرورت واہمیت کا احساس کرتے ہوئے ان پر سختی سے عمل کیجیے۔

⑩ عمومی رائے قائم کرنے سے گریز کرنا اور متعین افراد کے متعلق رائے قائم کرنے کے سلسلے میں انصاف سے کام لینا ضروری ہے اور انصاف کی بات یہ ہے کہ افراد کے بجائے ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کے مطالب پر حکم لگایا جائے۔

⑪ مقاصد اور ذرائع میں تمیز کرنا ضروری ہے، مثلاً: دعوت الی اللہ مقصد ہے جبکہ تحریک، جماعت اور مرکز وغیرہ ذرائع ہیں۔

⑫ مقاصد کے سلسلے میں ٹھوس رویہ اپنانا چاہیے جبکہ ذرائع کے سلسلے میں اتنی لچک رکھنی چاہیے جس کی شریعت اجازت دے۔



⑬ ترجیحات کا تعین ضروری ہے۔ معاملات کو ان کی اہمیت کے اعتبار سے ترتیب دینا چاہیے۔

⑭ داعیانِ اسلام کے درمیان تجربات کا تبادلہ ضروری ہے۔ جن افراد نے اس میدان میں پہلے قدم رکھا تھا، کام کے سلسلے میں ان کے تجربات کو بنیاد بنانا چاہیے۔ ہر داعی کے پیشرو ضرور ہوتے ہیں۔ کوئی فرد ایسا نہیں جسے رہنمائی کی ضرورت نہ پڑے۔ نہ تو ہر شخص کی ہر بات صحیح ہوتی ہے نہ ہر شخص کی ہر بات غلط۔

⑮ سنت کے پیرو، صحیح العقیدہ علماء کا احترام کرنا ضروری ہے۔ ان سے علم حاصل کرنا اور ان کی عزت وتوقیر کا تحفظ کرنا بھی ضروری ہے۔ ان کے بارے میں زبان درازی، ان کی نیتوں کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلانے اور ان پر تہمت لگانے سے گریز کرنا چاہیے، تاہم ان کی بے جا طرف داری بھی ضروری نہیں، اس لیے کہ ہر عالم سے غلطی ہو جاتی ہے۔ عالم اگر مجتہد ہے تو اس کی قدر ومنزلت غلطی کے باوجود قائم رہے گی۔

⑯ مسلمانوں کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہیے۔ ان کی باتوں کو ہمیشہ اچھے معنوں پر محمول کرنا چاہیے۔ ان کے عیبوں کی پردہ پوشی کرنی چاہیے، تاہم جس شخص میں عیب ہے، خود اسے اس کے عیب سے شائستگی کے ساتھ مطلع کر دینا چاہیے۔

⑰ جس آدمی کی خوبیاں زیادہ ہوں، اس کی خامیوں کا ذکر نہیں کرنا چاہیے الا یہ کہ اس میں کوئی قومی فائدہ ہو۔ جس شخص کی خامیاں زیادہ ہوں، اس کی خوبیوں کا تذکرہ نہیں کرنا چاہیے تاکہ اس کا معاملہ عوام الناس کے لیے مشتبہ، پیچیدہ اور ناقابل فہم نہ ہو۔

⑱ شرعی الفاظ اور اصطلاحیں استعمال کرنی چاہئیں کیونکہ وہ گہری اور درست ہوتی ہیں۔ غیر معروف اور پیچیدہ الفاظ کے استعمال سے گریز کرنا چاہیے، مثلاً: ڈیموکریسی کے بجائے شوریٰ کا لفظ استعمال کرنا چاہیے۔

⑲ فقہی مسالک کے بارے میں صحیح نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ بہت بڑا فقہی سرمایہ ہے۔ اسے کلی طور پر مسترد کر دینا ٹھیک نہیں۔ اسے پڑھنا اور اس سے استفادہ کرنا چاہیے، تاہم کسی خاص فقہی مسلک کے لیے تعصب نہیں رکھنا چاہیے۔ فقہی مسالک کے کمزور پہلوؤں سے بچتے ہوئے جو بات کتاب و سنت اور فہم سلف صالحین کے مطابق نظر آئے، اسے اخذ کرنا چاہیے۔

⑳ اہل مغرب اور مغربی تہذیب کے بارے میں صحیح نقطۂ نظر اپنانا چاہیے تاکہ ہم اپنے دین کے قواعد وضوابط کی روشنی میں ان کے تجرباتی علوم سے فائدہ اٹھا سکیں۔

㉑ دعوت کے میدان میں شوریٰ کی ضرورت و اہمیت کا احساس کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ شوریٰ سے متعلقہ شرعی احکام کا مطالعہ کرے۔

㉒ داعی کو قابل تقلید نمونہ کی حیثیت اختیار کرنی چاہیے کیونکہ وہ اپنی دعوت کا آئینہ اور اس کی توضیحی مثال ہے۔

㉓ دعوت کے سلسلے میں حکمت اور حسنِ وعظ کی راہ اپنانا ضروری ہے۔ داعیان الی اللہ کے لیے لازم ہے کہ وہ اس فرمانِ الٰہی کو اپنا رہنما اصول بنا لیں:

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾



"(اے نبی!) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ذریعے سے دعوت دیجیے اور ان سے احسن طریقے سے بحث کیجیے۔" [1]

㉔ داعی کو صبر و ضبط کا حامل ہونا چاہیے کہ یہ انبیائے کرام کی مقدس صفت ہے اور دعوت کی کامیابی کا دارومدار بھی اسی پر ہے۔

㉕ شدت پسندی سے دور رہنا اور اس کے منفی نتائج سے بچنا ضروری ہے۔ نرمی اختیار کرنی چاہیے اور شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنی چاہیے۔

㉖ مسلمان حق کا متلاشی ہے۔ حق بات کہنے کی جرأت، دعوت کا امر مطلوب ہے۔ اگر آپ حق بات کہنے سے عاجز ہیں تو کم سے کم اتنا ضرور کیجیے کہ باطل بات بھی نہ کہیے۔

㉗ تیزی کے بعد ڈھیلا پن اور چستی کے بعد سستی، یہ عملی زندگی کا منفی پہلو ہے۔ اس کے برے نتائج سے بچنا چاہیے اور یہ کھوج لگانا چاہیے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے اور اس کا علاج کیا ہے۔

㉘ افواہ، اس کے پھیلاؤ اور اس کے نتیجے میں اسلامی معاشرے پر مرتب ہونے والے منفی اثرات کے بارے میں محتاط رہنا چاہیے۔

㉙ مقام و مرتبہ کی کمی بیشی کا معیار تقویٰ اور عمل صالح ہے۔ اس ضمن میں جاہلی تعصبات سے کنارہ کرنا ضروری ہے، جن میں علاقائی تعصب، خاندانی تعصب، گروہی تعصب اور جماعتی تعصب نمایاں طور پر شامل ہے۔

㉚ دعوت کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اسلامی حقائق اور اسلامی

---

[1] النحل 125:16.

مناہج کی تعلیم دی جائے۔ شبہات پیش کر کے ان کا حل بتانے کا طریقہ مؤثر نہیں کہ بعدازاں میزانِ حق لوگوں کے ہاتھ میں تھما دیا جائے۔ انھیں اصول دین کی دعوت دینی چاہیے۔ اس ضمن میں لوگوں کی سمجھ بوجھ کے مطابق ان سے مخاطب ہونا اور ان کی نبض پر ہاتھ رکھ کر داخلی کیفیت جاننا ان کے قدموں کو راہِ ہدایت پر لگانے کا بہتر ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔

(31) داعیانِ اسلام اور اسلامی جماعتوں سے وابستہ افراد اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کی مقدور بھر کوشش کریں اور اللہ سے مدد چاہیں۔ انھیں یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی کاروانِ دعوت کو آگے بڑھاتا اور داعیانِ اسلام کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور یہ کہ دین و امر تمام کا تمام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

یہ قواعد و ضوابط متعدد علماء و داعیانِ اسلام کے تجربات کا نچوڑ ہیں۔ دعوتِ اسلام کے میدان میں مصروفِ عمل افراد اگر ان باتوں کو پیش نظر رکھیں گے تو ان شاء اللہ دعوت کے کام کو بہت فروغ حاصل ہوگا۔

داعیانِ اسلام کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اگر وہ دعوت کو کامیابی سے ہمکنار کرنا چاہتے ہیں تو انھیں دینی بنیادوں پر اتفاق و اتحاد، توکل، دعائے توفیق اور اخلاصِ نیت سے کام لینا ہوگا، نیز ہوا پرستی سے پوری طرح گریز کرنا اور تمام معاملات کو اللہ کے سپرد کرنا ہوگا۔

سلف صالحین کے عقائد کی کتابیں

علمائے اہل سنت نے بیشتر کتابیں سلف صالحین کے عقائد کے بارے میں تحریر کیں۔ ان میں انھوں نے علم عقائد کے اصول وضع کیے اور انھیں کتاب وسنت کے دلائل سے آراستہ کیا۔

میں یہاں ان میں سے چند نمایاں کتابوں کا تذکرہ کرتا ہوں جن سے میں نے اپنی یہ زیر نظر کتاب اخذ کی۔ یہ کتابیں ملاحظہ کرنے سے جہاں قاری کے علم وبصیرت میں اضافہ ہوگا وہاں اسے یہ بھی پتہ چلے گا کہ ہمارے اسلاف کے اصلی عقائد کیا تھے اور بعدازاں ان عقائد میں کیسی کیسی تحریفیں کر کے ان کا اصلی چہرہ چھپانے کی کوشش کی گئی۔

یاد رہے کہ ان تحریفات کے باوجود سلسلۂ روایت کی بدولت سلف صالحین کے خالص عقائد ہم تک پہنچے ہیں اور ان سے متعلقہ بیشتر کتابیں بحمد اللہ ہماری دسترس میں ہیں۔ ملاحظہ ہوں عقائد سلف پر مشتمل کتابیں اور ان کے قابل قدر مصنفین کے اسمائے گرامی:

① کتابُ السُّنّۃ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، وفات 241ھ۔

② کتابُ السُّنَّة، عبداللہ بن امام احمد رحمہ اللہ، وفات 290ھ۔

③ کتابُ السُّنَّة، ابوبکر احمد بن یزید خلال رحمہ اللہ، وفات 211ھ۔

④ کتابُ السُّنَّة، حافظ ابوبکر بن ابی عاصم رحمہ اللہ، وفات 287ھ۔

⑤ کتابُ السُّنَّة، امام محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ، وفات 294ھ۔

⑥ شرحُ السُّنَّة، امام حسن بن علی بربہاری رحمہ اللہ، وفات 329ھ۔

⑦ شرحُ السُّنَّة، امام حسین بن مسعود بغوی رحمہ اللہ، وفات 436ھ۔

⑧ الشریعة، امام ابوبکر محمد بن حسین آجری، وفات 360ھ۔

⑨ کتاب أصل السُّنَّة و اعتقاد الدین، امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ، وفات 327ھ۔

⑩ صریحُ السُّنَّة، امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ، وفات 310ھ۔

⑪ شرح مذاهب أهل السُّنَّة و معرفة شرائع الدين والتمسك بالسُّنن، امام عمر بن احمد بن شاہین رحمہ اللہ، وفات 279ھ۔

⑫ أصولُ السُّنَّة، امام ابن ابی زمنین اندلسی رحمہ اللہ، وفات 399ھ۔

⑬ کتابُ النزول، امام حافظ علی بن عمر دارقطنی رحمہ اللہ، وفات 385ھ۔

⑭ کتابُ الصفات، // // // //۔

⑮ کتابُ الرؤية، // // // //۔

⑯ کتابُ التوحید وإثبات صفات الرب عزوجل، إمام أبوبكر محمد بن إسحاق بن خزيمة، وفات 311ھ۔

⑰ مقدمة في العقيدة، عبداللہ بن زید قیروانی رحمہ اللہ، وفات 386ھ۔



⑱ الإبانة عن شريعة الفرقة الناجية ومجانبة الفرق المذمومة، امام ابوعبداللہ بن بطہ عکبری حنبلی رحمہ اللہ، وفات 387ھ۔

⑲ اعتقاد أئمة الحديث، امام ابوبکر اسماعیلی رحمہ اللہ، وفات 371ھ۔

⑳ الإبانة عن أصول الديانة، امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ، وفات 320ھ۔

㉑ رسالة إلى أهل الثغر، // // //۔

㉒ مقالات الإسلاميين، // // //۔

㉓ عقيدة السلف أصحاب الحديث، امام اسماعیل بن عبدالرحمٰن صابونی رحمہ اللہ، وفات 449ھ۔

㉔ المختار في أصول السنة، امام حسن بن احمد بن البنّا حنبلی بغدادی رحمہ اللہ، وفات 471ھ۔

㉕ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة، امام ہبۃ اللہ بن حسن بن منصور طبری لالکائی رحمہ اللہ، وفات 418ھ۔

㉖ كتاب الأربعين في دلائل التوحيد، ابواسماعیل ہروی رحمہ اللہ، وفات 481ھ۔

㉗ كتاب العظمة، ابوالشیخ اَصفہانی رحمہ اللہ، وفات 369ھ۔

㉘ الاعتقاد والهداية، ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ، وفات 458ھ۔

㉙ الحجة في بيان المحجة و شرح عقيدة أهل السنة، امام اسماعیل بن محمد تیمی اصفہانی رحمہ اللہ، وفات 535ھ۔

㉚ العقيدة الطحاوية، امام احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی رحمہ اللہ، وفات 321ھ۔

㉛ لمعة الاعتقاد الهادي إلى سبيل الرشاد، امام عبداللہ بن قدامہ مقدسی، وفات 620ھ۔

㉜ النصيحة في صفات الرب جل وعلا، امام عبداللہ بن یوسف جوینی رحمہ اللہ، وفات 438ھ۔

㉝ كتاب التوحيد، امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ، وفات 256ھ۔

㉞ كتاب التوحيد ومعرفة أسماء الله وصفاته، امام محمد بن اسحاق بن مندہ رحمہ اللہ، وفات 395ھ۔

㉟ كتاب الإيمان، امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ، وفات 224ھ۔

㊱ كتاب الإيمان، حافظ محمد بن یحییٰ بن عمر عدنی رحمہ اللہ، وفات 243ھ۔

㊲ كتاب الإيمان، حافظ ابوبکر بن محمد بن ابی شیبہ، وفات 235ھ۔

㊳ كتاب الإيمان، حافظ محمد بن اسحاق بن مندہ رحمہ اللہ، وفات 395ھ۔

㊴ شُعبُ الإيمان، حافظ ابوعبداللہ حلیمی بخاری رحمہ اللہ، وفات 403ھ۔

㊵ مسائل الإيمان، قاضی ابویعلیٰ رحمہ اللہ، وفات 458ھ۔

㊶ الرّدّ على الجهمية، حافظ ابن مندہ رحمہ اللہ، وفات 395ھ۔

㊷ الرّدّ على الجهمية، امام عثمان بن سعید دارمی رحمہ اللہ، وفات 280ھ۔

㊸ الرّدّ على الجهمية والزنادقة، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، وفات 241ھ۔

㊹ الرّدّ على من أنكر الحرف والصوت، امام حافظ عبیداللہ بن سعد سجزی رحمہ اللہ، وفات 444ھ۔



45. الاختلاف في اللفظ والرد على الجهمية والمشبهة، امام عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری، وفات 276ھ۔

46. خلق أفعال العباد والرد على الجهمية وأصحاب التعطيل، امام بخاری رحمہ اللہ، وفات 254ھ۔

47. مسألة العُلُوّ والنزول في الحديث، حافظ محمد بن طاہر مقدسی، المعروف ابن قیسرانی رحمہ اللہ، وفات 507ھ۔

48. العُلُوّ لِلعَلِيّ العظيمِ وإيضاحُ صحيحِ الأخبارِ من سقيمها، امام ذہبی رحمہ اللہ، وفات 748ھ۔

49. الأربعين في صفات رب العالمين، // // //۔

50. كتاب العرش وما رُوِيَ فيه، حافظ محمد بن عثمان ابن ابی شیبہ عبسی رحمہ اللہ، وفات 297ھ۔

51. إثبات صفة العلوّ، امام ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ، وفات 620ھ۔

52. أقاويل الثقات في تأويل الأسماء والصفات، امام زین الدین مرعی بن یوسف کرمی مقدسی حنبلی رحمہ اللہ، وفات 1033ھ۔

53. كتاب الأسماء والصفات، امام بیہقی رحمہ اللہ، وفات 458ھ۔

54. البعث والنشور، // // //۔

55. إثبات عذاب القبر، // // //۔

56. التصديق بالنظر إلى الله تعالى في الآخرة، امام ابوبکر آجری رحمہ اللہ، وفات

360ھ۔

(57) الاعتقاد الخالص من الشك والانتقاد، امام علاؤالدین ابن عطار رحمہ اللہ، وفات 724ھ۔

(58) العَيُون والأثر في عقائد أهل الأثر، امام عبدالباقی مواہلی حنبلی رحمہ اللہ، وفات 1071ھ۔

(59) قطف الثمر في بيان عقيدة أهل الأثر، نواب محمد صدیق حسن خان قنوجی رحمہ اللہ، وفات 1307ھ۔

(60) الدين الخالص، // // //۔

(61) لوامع الأنوار البهية وسواطع الأسرار الأثرية، علامہ محمد بن احمد سفارینی رحمہ اللہ، وفات 1188ھ۔

(62) لوامع الأنوار السَّنية ولواقح الأفكار السُّنية شرح قصيدة ابن أبي داود الحائية، علامہ محمد بن احمد سفارینی، وفات 1188ھ۔

(63) تجريد التوحيد المفيد، امام احمد بن علی مقریزی رحمہ اللہ، وفات 845ھ۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (وفات 728ھ) میدان تالیف کے مایۂ ناز شہ سوار ہیں۔ انھوں نے اپنی کئی تصنیفات میں علم عقائد کے اصول و مناہج ترتیب دیے ہیں اور اس سلسلے میں ایک مایۂ ناز ذخیرہ کتب امت کے سپرد کیا۔ اس حوالے سے ان کی نمایاں تصنیفات یہ ہیں:

(64) منهاج السنة النبوية.

(65) درء تعارض العقل والنقل.



66 كتابُ الإيمان.
67 الرسالة التدمرية.
68 الرَّدُ على المنطقيين.
69 العقيدة الواسطية.
70 العقيدة الحموية.
71 الرسالة التسعينية.
72 بيان تلبيس الجهمية.
73 النبوّات.
74 شرح العقيدة الأصفهانية.
75 شرح حديث النزول.
76 بغية المرتاد في الرد على المتفلسفة وأهل الإلحاد.
77 اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم.
78 الصارم المسلول على شاتم الرسول ﷺ.
79 قاعدة جليلة في التوسل والوسيلة.

ان کتابوں میں مجموع الفتاویٰ کا بھی اضافہ کر لیا جائے جس میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی بہت سی تصنیفات یکجا کر دی گئی ہیں۔ مجموع الفتاویٰ سینتیس (37) جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میدانِ تالیف کے دوسرے شہسوار شیخ الاسلام کے شاگرد رشید امام ابن قیم رحمہ اللہ ہیں (وفات 752ھ) موصوف نے گمراہ فرقوں کی تردید میں متعدد کتابیں لکھیں، مثلاً:

80 طريق الهجرتين وباب السعادتين.
81 القصيدة النونية.
82 اجتماع الجيوش الإسلامية على غزو المعطلة والجهمية.
83 شفاء العليل في مسائل القضاء والقدر والحكمة والتعليل.
84 الصواعق المرسلة على الجهمية والمعطلة.



یہ تمام کتابیں الحمدللہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جن کا ذکر ہم نے نہیں کیا۔ ان میں سے بعض کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور بعض ابھی تک شائع نہیں ہوئیں، تاہم وہ مخطوطوں کی صورت میں محفوظ ہیں۔



آخری گزارش

یہ ہے اس امت کے ہر اول دستے کا عقیدہ۔ کوثر و تسنیم میں دُھلا ہوا خالص عقیدہ۔ سیدھا سادہ، صاف شفاف، منہاج کتاب و سنت کے عین مطابق۔ اقوال ائمۂ سلف کے بالکل موافق۔ اوائل امت کا حیات آفریں عقیدہ۔

یہ سلف صالحین کا عقیدہ ہے۔ یہ فرقۂ ناجیہ (نجات یافتہ گروہ) کا عقیدہ ہے۔ یہ طائفہ منصورہ کا عقیدہ ہے۔ یہ اہل حدیث کا عقیدہ ہے۔ یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ یہ ائمۂ اربعہ کا عقیدہ ہے۔ یہ تمام فقہاء و محدثین اور ان کے پیروکاروں کا عقیدہ ہے۔

ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنا عقیدہ اسی سرچشمۂ صافی سے حاصل کریں جہاں سے اسلاف امت فیض یاب ہوئے تھے۔ انھی باتوں کو لیں جن کو انھوں نے لیا تھا۔ ان باتوں پر خاموشی اختیار کریں جن پر انھوں نے خاموشی اختیار کی تھی۔ جیسے انھوں نے اللہ کی عبادت کی ہم اسی طرح اللہ کی عبادت کریں۔ نئے پیش آمدہ اُمور کے سلسلے میں ہمیں کتاب و سنت، اجماع امت اور فہم سلف کی روشنی میں قیاس صحیح سے رہنمائی

لینی چاہیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں جانتا ہوں، لوگوں کی اصلاح کب ہوتی ہے اور ان میں بگاڑ کب پیدا ہوتا ہے۔ جب چھوٹوں کی طرف سے فقہ آتی ہے تو بڑے اس کے خلاف سر اٹھاتے ہیں اور جب بڑوں کی طرف سے فقہ آتی ہے تو چھوٹے اس کی اتباع کرتے ہیں۔ یوں یہ دونوں طبقے ہدایت پاتے ہیں۔“ [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اچھی طرح دیکھو کہ تم یہ علم کس سے لیتے ہو کیونکہ یہی تو دین ہے۔“ [2]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”جب تک لوگ اکابر سے علم حاصل کرتے رہیں گے، خیریت سے رہیں گے۔ جب وہ چھوٹوں اور شریر لوگوں سے علم حاصل کرنے لگیں گے تو تباہ و برباد ہو جائیں گے۔“ [3]

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ہدایت حق سے بہرہ یاب کرے۔ جو شخص کتاب و سنت اور فہم سلف کے سوا کسی اور ذریعے سے ہدایت پانا چاہتا ہے یا دین و شریعت میں کسی امر کا اضافہ کرتا ہے وہ بلاشبہ گمراہی کی دلدل میں دھنسا ہوا ہے، سیدھی راہ سے ہٹا ہوا ہے اور غلط راستے پر چل رہا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ ہم اس سے پہلے ہی وفات پا جائیں گے کہ تمام سنتوں پر پوری طرح سے عمل پیرا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ جب موجود سنتوں پر پوری طرح سے عمل

---

[1] جامع بیان العلم لابن عبدالبرؒ، ص: 247. [2] الكفاية في علم الرواية للخطيب، ص: 196.
[3] جامع بيان العلم لابن عبدالبر، ص: 248.



نہیں کیا جاسکتا تو ایک نئی بات کو بدعت بنا کر اسے دین میں شامل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

حضرت امام مالک رحمہ اللہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ۔

وَخَيْرُ أُمُورِ الدِّينِ مَا كَانَ سُنَّةً

وَشَرُّ الْأُمُورِ الْمُحْدَثَاتُ الْبَدَائِعُ

''امورِ دین میں بہترین امر سنت ہے اور بدترین امر نئی ایجاد کردہ بدعتیں ہیں۔''

جناب رسالت مآب ﷺ بالاتفاق سب سے افضل عبادت گزار ہیں۔ ہر وہ عبادت جو آپ کی عبادت کے خلاف ہے، وہ بدعت ہے جو آدمی کو اللہ کے قریب کرنے کے بجائے اسے اللہ سے دور کرتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

''پھر ہم نے (اے نبی!) آپ کو دین کے (واضح) راستے پر لگا دیا، لہٰذا آپ اس کی پیروی کریں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو علم نہیں رکھتے۔'' ①

مزید فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ﴾

''اور ملت ابراہیم سے کون بے رغبتی کرسکتا ہے سوائے اس کے جس نے اپنے نفس کو احمق بنالیا۔'' ②

① الجاثیۃ 18:45، ② البقرۃ 130:2.

اور فرمایا:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾

''اور دین میں اس شخص سے زیادہ اچھا کون ہے جس نے اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دیا؟ اور وہ نیکی کرنے والا بھی ہو اور ملتِ ابراہیم کی پیروی کرے، جو صرف حق پرست تھا۔'' [1]

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کو متحد کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ان میں عقیدے کا اتحاد پیدا کر دیا جائے۔ وہ اسی صحیح عقیدے کو اپنا لیں جسے اس امت کے اسلاف نے اپنایا اور جس کے ذریعے سے انھوں نے دنیا پر عادلانہ حکومت کی۔

حاصلِ کلام: ہماری اصلاحِ احوال اور ہماری دعوت کی کامیابی کا انحصار اس پر ہے کہ ہم صحیح طریقے سے ترجیحات کا تعین کریں اور دین کے سب سے اہم پہلو عقیدۂ توحید سے دعوت کا آغاز کریں، پھر ہم اپنی سیاست و معاشرت، اپنے اخلاق و کردار اور زندگی کے معاملات و آداب کو عقیدۂ توحید کی بنیاد پر استوار کریں۔

اس سلسلے میں ہم فہم سلف کی روشنی میں کتاب و سنت کی ہدایات کو سمجھیں اور ان کے مطابق زندگی کے معاملات نمٹائیں۔ یہی وہ سیدھی راہ ہے جسے اپنانے کا حکم ہمیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ

---

[1] النسآء 4:125۔



عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝﴾

''اور یقیناً یہ میرا راستہ سیدھا ہے، لہٰذا تم اسی کی پیروی کرو اور تم دوسرے راستوں کی پیروی مت کرو، وہ تمھیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے۔ اللہ نے تمھیں اس کی تاکید کی ہے تاکہ تم پرہیز گاری اختیار کرو۔'' [1]

عقیدۂ سلف صالحین ہی وہ واحد راستہ ہے جس سے امت کی حالت زار سدھرے گی۔ اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ جس طرح اس نے منہاج سلف صالحین کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی، اسی طرح وہ ہمیں ان کے زمرے میں شامل کرے، قیامت کے روز ہمیں ان کے ساتھ سید بنی آدم حضرت محمد ﷺ کے پرچم تلے اکٹھا کرے، ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو کج روی سے محفوظ رکھے اور ہمیں اپنے نیکوکار، صالح، موحد اور خدمت گزار بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین!

وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ.



[1] الأنعام 153:6.

سلف صالحین کے عقائد ونظریات

عقیدہ توحید اور ایمانیات کے بارے میں صحابہ کرام، تابعین اور محدثین کے فہم کی روشنی میں 11 بنیادی اصول

کسی قوم، معاشرے یا فرد کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار اس کے عقائد ونظریات پر ہوتا ہے قطع نظر اس کے کہ وہ عقائد ونظریات صحیح ہیں یا غلط، جو قوم اپنے نظریات وافکار میں پختہ ہو وہی کامیاب ہوتی ہے۔ اگر عقائد ونظریات مستحکم اور صحیح ہوں تو دین ودنیا دونوں کی کامیابی مقدر ٹھہرتی ہے۔ عقائد ونظریات میں متزلزل قوم دنیا میں بھی ناکام ہوتی ہے اور آخرت میں بھی نامراد۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیائے کرام نے سب سے پہلے لوگوں کے عقائد ونظریات کی اصلاح کی اور اسلام نے بھی عقائد پر بہت زور دیا ہے اور پختہ عقائد کے بغیر اسلام کو نفاق کے درجے میں رکھا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے 13 سالہ مکی زندگی میں لوگوں کے عقائد ونظریات ہی پر زور دیا۔ نماز، روزہ، حج، زکاۃ جیسے ارکان واحکام مدینہ طیبہ جا کر نازل ہوئے۔

عصر حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے علمائے ربانی نے اسلام کے بنیادی عقائد ونظریات کے حوالے سے بے شمار کتابیں تحریر کی ہیں۔ زیر نظر کتاب، عالم عرب کے معروف عالم دین فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالحمید اثری ﷾ کی تالیف "الوجیز فی عقیدۃ السلف الصالح" کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں عقیدے کی تعریف وتوضیح کے علاوہ **11 بنیادی اصول** ذکر کیے گئے ہیں جن کا جاننا اہل اسلام کے لیے نہایت ضروری ہے۔ عقیدہ توحید اور ایمانیات کے مسائل کو صحابہ کرام، تابعین اور محدثین کے فہم کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔ کتاب کا اسلوب سادہ اور عام فہم ہے جو علماء، طلبہ اور عوام الناس کے لیے یکساں مفید ہے۔